قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیة

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

چالیسواں وعظ مسمی بہ

تقلیل الطعام بصورۃ الصیام

منجملہ ارشادات حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی

حسب فرمایش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون

بابت ماہ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۴۳ھ

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون کے اہتمام سے چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمیٰ بہ

تقلیل الطعام بصورۃ الصیام

این	کہاں ہوا	مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔
متی	کب ہوا	۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ (بعد عصر [illegible])
کم	کتنا ہوا	تخمیناً ۲ گھنٹہ ۳ منٹ ہوا۔
کیف	کیسے ہوا	کھڑے ہو کر۔
لم	کیوں ہوا	رمضان المبارک [illegible]
ماذا	کیا مضمون تھا	روزہ [illegible]
من ضبط	کس نے ضبط کیا	ظفر احمد [illegible] عفا عنہ
من المستمعون	سامعین کتنے تھے	تقریباً (۵۰)
سوانح و متعلقات	متفرقات	[illegible]

دعا (۱) الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور

انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین ہرچند کہ اس رمضان میں بیان کا ارادہ نہ تھا دو وجہ سے ایک اس وجہ سے کہ آج کل لوگوں کی طبائع میں تاثر کا مادہ نہیں رہا ایک ہوا[1] پھیل رہی ہے جسکی وجہ سے عام طبائع اوہر مشغول ہیں لوگوں کو بیان بھی وہی پسند ہوتا ہے جو اس ہوا کے موافق ہو مسائل شرعیہ کا بیان اور خالص احکام کا بیان آج کل لوگوں کو پسند نہیں رہا یہ تو انکا حال ہے جو اس ہوا سے متاثر ہو چکے ہیں اور جو اس سے پوری طرح متاثر نہیں ہوئے ان میں بھی ایک خاص عارض سے تاثر کا مادہ کم ہو گیا کیونکہ اس ہوا کا اثر ایسا پھیلا ہوا ہے کہ قلوب عام طور پر مشوش ہیں جو لوگ گوشہ نشین اور عزلت گزین ہیں جنکو بجز ذکر وشغل اور اللہ اللہ کرنے کے کچھ کام نہیں انکو بھی یہ شکایت ہے کہ ذکر میں دل نہیں لگتا انوار نہیں معلوم ہوتے وجہ یہی ہے کہ قلوب میں تشویش عام ہے طمانیت قلب مفقود ہو گئی اس ہوا کی ظلمت کچھ ایسی ہے کہ جنکے قلوب مطمئن ہیں ان کی بھی وہ حالت نہیں ہے جو اس سے پہلے تھی کیونکہ اس ہوا کا منشا دین نہیں اگر اسکا منشا دین ہوتا تو اسمیں ایک نور ہوتا ظلمت نہ ہوتی اگر کسی دینی کام کی وجہ سے تشویش لاحق ہوتی ہے تو تجربہ ہے کہ اس سے نور قلب میں کمی نہیں آتی بلکہ نور بڑھتا ہے ہاں جس تشویش عام کا منشا دنیا ہو اس سے بیشک ظلمت بڑھتی ہے جسکا اثر کم وبیش سب پر ہوتا ہے انپر بھی جو اس تشویش میں مبتلا ہوں اور ان پر بھی جو اس سے الگ ہوں کیونکہ عموم بلا کی وجہ سے قریب قریب سب ہی مشوش ہوتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ تو ظلمت کا اثر بھی سب کے قلوب پر ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس ہوا کے حق نہ ہونیکی یہ بھی ایک کافی دلیل ہے کہ اس سے قلوب میں ظلمت بڑھ رہی ہے احکام الٰہیہ سے متاثر ہونیکا مادہ کم ہو گیا ہے ایک تو یہ وجہ تھی بیان کا ارادہ نہ ہونیکی کیونکہ جب سامع

[1] اس ہوا سے تحریک ہندو مسلم اتحاد وحصول سوراج مراد ہے جو اس وقت قدرے عروج پر تھی ۱۲ جامع

کے اندر تاثر ہی نہو یا کم ہو تو بیان کرنیوالیکی طبیعت کیونکر بڑھے ؎

فہم سخن تا نکند مستمع ۔ قوت طبع از متکلم مجو

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ کوئی مضمون ذہن میں نہ تھا اور جو مضامین تھے وہ مکرر تھے اسلئے اس رمضان میں بیان کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا لیکن بعض خیر خواہوں کی رائے ہوئی کہ کچھ بیان ضرور ہونا چاہیے اور ان دونوں وجہوں کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ اسوقت بعض لوگوں میں تو اس ہوا کا اثر ہی نہیں رہا اب بہت کچھ سکون ہو چلا ہے اور جنمیں وہ اثر ہے بھی تو ضعیف ہے جس میں بیان سے تغیر ممکن ہے اسلئے امید ہے کہ سامعین پر بیان کا اثر ضرور ہوگا سب پر نہ ہو تو بعض پر تو ضرور ہی ہوگا اس لئے مایوسی کیوں ہو رہا مضامین کا مکرر ہونا تو مکرر میں حرج ہی کیا ہے آخر کھانا بھی تو روزانہ مکرر ہوتا ہے جب تکرار کی وجہ سے غذائے جسمانی ترک نہیں کیجاتی تو غذائے روحانی کیوں ترک کیجائے دوسرے مضامین مکرر ہیں بھی اکثر طرز بیان جدا ہوتا ہے جس سے نفع جدید ہوتا ہے۔ الغرض مخلصین کی اس تقریر سے بیان کا کچھ کچھ ارادہ ہوا کیونکہ ان کی درخواست سے طلب مترشح ہوتی تھی تو میں نے خیال کیا کہ اگر ایک جماعت متاثر بھی نہ ہوگی تو کم از کم یہ مخلصین تو بیان سے متاثر ہونگے پھر دوسروں کی وجہ سے طالبین کا کیوں نقصان کیا جائے اور ان کو مسائل شرعیہ سے کیوں محروم رکھا جاوے اور کیا عجب ہے کہ ان کی طلب کی برکت سے دوسروں پر بھی اثر ہو جائے اسکے بعد پھر مضمون بھی ذہن میں آگیا تو تردد جزم سے بدل گیا اور بیان کا قصد کر ہی لیا اور انشاء اللہ امید ہے کہ حسب معمول رمضان ہر جمعہ کو بیان ہوتا رہیگا۔ اسوقت جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اسمیں بظاہر رمضان کے متعلقات صیام و قیام وغیرہ کا ذکر نہونے سے شائد سامعین کو تشویش ہوئی ہو کہ اسوقت کا بیان مناسب وقت نہوگا حالانکہ وہ اس انتظار میں بھی تھے کہ رمضان کے احکام بیان کئے جائیں گے تو وہ مطمئن رہیں کہ بیان احکام رمضان ہی کا ہوگا اور اسوقت روزہ ہی کا بیان ہوگا لیکن اس آیت میں بالذات روزہ کا بیان نہیں بلکہ اسمیں اس زمانہ کی عبادات کی روح مذکور ہے تو جب عبادات رمضان کی روح بیان کیجائیگی تو صورت بھی اسکی ساتھ ساتھ تبعاً بیان ہو جائیگی اور اگر صورت کا بیان نہ بھی ہوا تب بھی حرج نہیں کیونکہ مقصود تو روح ہوا کرتی ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ صورت بیکار ہے اسکی ضرورت نہیں

بلکہ مطلب یہ ہے کہ روح کا اہتمام صورت سے زیادہ ہوا کرتا ہے ورنہ مقصود دونوں ہیں بیکار
کوئی نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ گو انسان میں اصل چیز روح ہے مگر باایں ہمہ جسم کو بیکار
کوئی نہیں سمجھتا اور نہ چاہیے کہ اپنے بدن کی صحت و عافیت کا مطلق خیال نہ کیا جائے
بیماری میں دوا دارو بھی نہ کیجائے کیونکہ بیماری سے جسم ہی ہلاک ہوگا روح تو ہلاک نہ ہوگی
وہ تو جسم کے بغیر بھی باقی رہے گی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کوئی اس قاعدہ سے کام نہیں لیتا
کہ اصل مقصود روح ہے صورت کی کیا ضرورت ہے بلکہ یہاں روح اور جسم دونوں کو مقصود سمجھا
جاتا ہے اسی طرح سمجھو کہ احکام شرعیہ میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں عمل کی یہ روح ہے وہاں بھی
صورت اور روح دونوں مقصود ہیں بیکار کوئی نہیں بلکہ اس روح کا حصول خاص اس صورت
پر موقوف ہوتا ہے کہ بدون اس عمل کے روح مقصود حاصل ہو ہی نہیں سکتی اس لئے مقصود
دونوں ہونگے گو یہ ضرور ہے کہ روح کا اہتمام صورت سے زیادہ ہونا چاہیئے مگر اس کا یہ مطلب
نہیں کہ صورت محض بیکار ہے جیسا بعض ملاحدہ اور جہال صوفیہ کا خیال ہے۔ اب سنئے
کہ وہ روح کیا ہے جسکا اس آیت میں بیان ہے سو مقصود بالذات اس آیت میں مجاہدہ کا
بیان ہے اور یہی روح ہے عبادات رمضان کی بلکہ تمام عبادات کی بلکہ تمام شریعت کی کیونکہ سارے دین
کا خلاصہ مجاہدہ ہی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ مجاہدہ کہتے ہیں لغت میں مشقت کو اور اصطلاح میں
مجاہدہ نام ہے مخالفت نفس کا اسکا حاصل بھی مشقت ہی ہے کیونکہ مخالفت نفس میں تعب ضرور
ہوتا ہے۔ اور دین کا خلاصہ بھی مشقت ہی ہے کیونکہ اسمیں ایک گونہ نفس کے اوپر پابندی
لازم ہوتی ہے اور نفس پر پابندی گراں ہے وہ تو طبعی طور پر آزادی کا طالب ہے اسی لئے
نفس پر اعمال دینیہ شاق ہوتے ہیں اور اسی لئے دین کا نام تکلیف ہے اور احکام شرعیہ کو احکام
تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلف کہتے ہیں گو تو تکلیف باعث راحت ہے مگر سب کو نہیں
بلکہ خواص کو راحت کا سبب ہے ورنہ عوام کو تو دین پہ چلنے سے تکلیف ہی ہوتی ہے جسکی یہ
وجہ نہیں کہ احکام شرعیہ واقع میں دشوار ہیں یا طاقت سے باہر ہیں اگر ایسا ہوتا تو خواص
کے لئے باعث راحت کیونکر ہو جاتے جو کام فی نفسہ دشوار ہوتا ہے وہ تو سب ہی کیلئے
دشوار ہوتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خواص کیلئے دین پر چلنا ذرا بھی دشوار نہیں معلوم ہوتا کہ

دین فی نفسہ تو دشوار نہیں بلکہ ایک عارض کی وجہ سے دشوار ہے وہ عارض یہ ہے کہ عوام کے
نفوس پابندی کے عادی نہیں آزادی کے عادی ہیں تو بس دین کی دشواری اور تکلیف کا
حاصل یہ ہے کہ اسمیں آزادی نہیں بلکہ تقیید ہے اور ظاہر ہے کہ محض اتنی بات سے کسی قانون
کو سخت اور دشوار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ پابندی تو ہر قانون میں ہوتی ہے اگر محض پابندی
کا نام دشواری ہے تو ایک ڈاکو کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ میں قانون سلطنت کو اسلئے نہیں مانتا
کہ وہ دشوار ہے اور دشواری یہ ہے کہ اسمیں مجھے پابند کیا جاتا ہے اور میرے جذبات کو دبایا
جاتا ہے تو کیا کوئی عاقل اسکی اس بات کو تسلیم کر کے اسے معذور اور قانون کو دشوار مان لیگا
ہرگز نہیں تو پھر ہم محض تقیید کی وجہ سے دین کو دشوار کیسے مان لیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جن
لوگوں کی طبائع آزاد ہیں ان کو دین کی پابندی گراں ہوتی ہے مگر یہ گرانی دین میں نہیں ہے
بلکہ یہ خود آپ کے اندر ہے جیسے بچہ کو روٹی کھانا اور دودھ کا چھوڑنا گراں ہوتا ہے اور وہ
دودھ چھوڑتے ہوئے کیسا روتا اور مچلتا ہے تو کیا اس سے روٹی کا کھانا دشوار ہو جائیگا ہرگز
نہیں ورنہ پھر آج سے بچوں پر یہ ظلم کرنا چھوڑ دیجئے اور ان کو ساری عمر ماں ہی کا دودھ پینے دیجے
مگر ایسا کوئی نہیں کرتا بلکہ یہاں سب یہ کہتے ہیں کہ روٹی کھانا تو بہت سہل ہے مگر بچہ کو
اسلئے گراں ہے کہ وہ دودھ کا عادی ہو رہا ہے جہاں وہ عادت چھوٹی پھر اس سے پوچھیگا
کہ روٹی کھانے میں کیا دشواری ہے اب تو اسکی یہ حالت ہوگی کہ رات دن روٹی روٹی پکاریگا
اور اس کے بغیر چین نہ آئیگا اور ماں کے دودھ سے ایسی نفرت ہو جائیگی کہ خوشامد بھی کروگے
تو پاس نہ جائیگا میں کہتا ہوں کہ یہی حال دین کی دشواری کا ہے کہ جب تک آپ آزادی
کے عادی ہیں اسی وقت تک یہ گراں ہے اور جسدن آپ پابندی کے عادی ہو گئے اسدن
خود کہہ دینگے کہ دین پر چلنا تو بہت ہی آسان ہے اور جب آپ کو احکام شرعیہ میں لذت آنے
لگے گی اسوقت تو آپ اس پابندی کے ایسے عاشق ہونگے کہ آزادی کے نام سے نفرت
ہو جائیگی جیسے بچہ کے منہ کو روٹی کا مزہ لگنے کے بعد ماں کے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے
بہرحال گو دین پر چلنا باعث راحت ہے اور یہ تقیید ہزاروں لذتوں کا سبب ہے مگر خواص
کے لئے ہے عوام کے لئے تو تکلیف ہی ہے اسی لئے عاقل بالغ کو مکلف اور دین کو

تکلیف کہا جاتا ہے اور یہی حاصل ہے مجاہدہ کا تو سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہوا اور عبادات رمضان بھی احکام دین میں سے ہیں تو انکا خلاصہ اور روح بھی مجاہدہ ہوا شاید آپ یہ کہیں کہ اس تقریر سے آیت کا خاص تعلق عبادات رمضان سے ظاہر نہ ہوا بلکہ عام تعلق ظاہر ہوا جو تمام احکام سے برابر ہے تو سنئے کہ اس آیت کو عبادات رمضان سے دو تعلق ہیں ایک تو عام تعلق ہے جو اس وجہ سے ہے کہ یہ عبادات بھی احکام دین میں سے ہیں اور سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہے دوسرا خاص تعلق ہے وہ یہ کہ ان عبادات میں بہ نسبت دوسرے احکام کے مشقت زیادہ ہے تو مجاہدہ کو ان سے زیادہ خصوصیت ہے نیز دوسرے احکام میں تو مجاہدہ کے اقسام میں سے ایک یا دو قسم ہی موجود ہوتی ہیں اور عبادات رمضان میں سب اقسام مجتمع کردی گئی ہیں گویا رمضان میں مجاہدہ کی تکمیل کردی گئی ہے اسوجہ سے آیت کو عبادات رمضان سے خاص تعلق ہے اور اس کی تفصیل عنقریب معلوم ہو جائیگی کہ مجاہدہ کے اقسام کیا کیا ہیں اور ان سب کو رمضان میں کیونکر جمع کیا گیا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ میں دو قسم کے کام ہوتے ہیں بعض متروک ہیں جو چھوڑنے کے قابل ہیں اور بعض اعمال ہیں جو کرنے کے قابل ہیں۔ معاصی تو سب کے سب متروک ہیں مثلاً زبان کا گناہ نگاہ کا گناہ سمع کا گناہ دل کا گناہ یہ تو چھڑائے جاتے ہیں اور طاعات اعمال ہیں جنکو کرنا پڑتا ہے جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ حقوق معاشرت حقوق زوجیت وغیرہ اور چونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجاہدہ سارے دین کا خلاصہ ہے تو متعلق دین کے بھی یہی دو جزء ہوئے ایک طاعات جنکو کرنا پڑتا ہے دوسرے معاصی جنکو چھوڑنا پڑتا ہے پھر طاعات کی دو قسمیں ہیں ایک واجبہ دوسری مستحبہ یہ دونو کرنے کے قابل ہیں اور دونو کا بجالانا مجاہدہ میں داخل ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب کے کرنے میں بہ نسبت واجب کے زیادہ مجاہدہ ہے کیونکہ قاعدہ طبعیہ ہے کہ جس کام کو انسان اپنے اوپر لازم سمجھ لیتا ہے اسکو ضرور ہی کرتا ہے اس کے کرنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوتی اور جس کام کو اپنے اوپر لازم نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اسمیں مختار سمجھے اس کا کرنا گراں ہوتا ہے خصوصاً اسمیں پابندی تو بہت ہی گراں ہوتی ہے اسی لئے مجھ سے بعض سالکین نے بیان کیا اور میں خود بھی اپنا حال دیکھتا ہوں کہ فرائض کا ادا کرنا اتنا گراں نہیں

ہوتا جتنا رات کا اٹھنا گراں ہوتا ہے کیونکہ رات کو جاگنا اور تہجد پڑھنا ہمارے ذمہ لازم نہیں صرف سنت یا مستحب ہے اسلئے مستحبات کا بجالانا بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور اسی لئے صوفیہ نے لکھا ہے کہ سالک کو علاوہ فرائض و واجبات کے کچھ سنن و مستحبات کا بھی التزام کرنا چاہیے کیونکہ مجاہدہ بدون اس کے کامل نہیں ہوتا ہمارے حاجی صاحب نے بھی اسکی وصیت فرمائی ہے تو اب محل دین کے تین اجزا ہوئے (۱) معاصی (۲) طاعات واجبہ (۳) طاعات مستحبہ شاید یہاں کسی کو یہ اشکال پیدا ہو کہ جسطرح اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک واجب دوسری مستحب اسی طرح محل تروک کی بھی دو قسمیں ہونی چاہئیں ایک وہ جنکا ترک واجب ہے دوسری وہ جنکا ترک مستحب ہے جسکا ترک واجب ہے وہ تو حرام اور مکروہ تحریمی ہے اور جسکا ترک مستحب ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے تو اس طرح اجزاء دین چار ہو گئے تین نہ ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ جب محل تروک کی تفسیر معاصی سے کر دی گئی تو اب اسکی دو قسمیں نہیں ہو سکتی کہ ایک معاصی تو وہ ہوں جنکا ترک واجب ہے اور ایک معاصی وہ ہوں جنکا ترک مستحب ہے کیونکہ جسکا ترک مستحب ہو وہ معصیت ہی نہیں معصیت وہی ہے جسکا ترک واجب ہو بخلاف اعمال کے جسکی تفسیر طاعات سے کی گئی ہے کہ اسمیں دو قسمیں موجود ہیں بعض وہ طاعات ہیں جنکا فعل واجب ہے اور بعض وہ ہیں جنکا فعل مستحب ہے رہا یہ اشکال کہ ناجائز کی بھی تو دو قسمیں ہیں ایک حرام ایک مکروہ اسکا جواب یہ ہے کہ ناجائز بالمعنی الاعم کی تو دو قسمیں ہو سکتی ہیں مگر معصیت کی کہ وہ مفہوم میں ناجائز سے اخص ہے دو قسمیں نہیں ہو سکتی جسکو معصیت کہا جائیگا اسکی دو قسمیں نہیں ہونگی بلکہ اسکا ترک واجب ہی ہو گا تو اس صورت میں بہت سے مکروہ تنزیہی معاصی میں داخل نہ ہو گا یہ تو مشہور کی بناء پر ہے اور اگر اسکو بھی معصیت مانا جائے تو اسکا ترک بھی ضروری ہو گا گو ضرورت میں تفاوت ہو اور یہی صحیح ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی بھی ضروری الترک ہے اسلئے کہ خدا تعالیٰ اسپر بھی مواخذہ فرما سکتے ہیں اور جس چیز میں مواخذہ کا اندیشہ ہو وہ معمولی بات نہیں پس حق تعالیٰ کی نافرمانی گو قلیل ہی ہو اسکا ترک ضروری ہونا چاہیے دوسرے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ صغائر گو اخف الصغائر ہی ہو اصرار سے کبائر ہو جاتے ہیں تو اس درجہ میں مکروہ تنزیہی فقہاء کے نزدیک بھی ضروری الترک ہے تیسرے یہ کہ مکروہ تنزیہی

کا ارتکاب بسا اوقات مکروہ تحریمی کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص مکروہ
تنزیہی کے ارتکاب پر اقدام کریگا وہ اسکو معمولی بات سمجھیگا اور جب نفس میں یہ بات پیدا
ہو گئی کہ وہ ادنیٰ معصیت کو معمولی بات سمجھنے لگے تو اسمیں خوف کا مادہ کم ہو جاتا ہے
جس سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اسکو مکروہ تحریمی کے ارتکاب پر بھی جرأت ہو جاتی
ہے اور قاعدہ ہے مقدمۃ الحرام حرام حرام کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے اسلئے مکروہ تنزیہی گو فی نفسہ
حرام نہو مگر اس مقدمہ پر نظر کر کے اسکا ترک بھی ضروری ہے اسی لئے حدیث میں ہے لا یبلغ
المؤمن درجة المتقين حتى يترك ما لا بأس به حذرا مما به بأس او
کما قال) یعنی تقویٰ کامل یہ ہے کہ جس چیز میں اندیشہ بھی نہو اسکو اس چیز سے بچنے کیلئے
چھوڑ دے جسمیں اندیشہ ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو یہ پوچھا کرتے ہیں
کہ یہ کام گناہ صغیرہ ہے یا گناہ کبیرہ مجھسے جب کوئی یہ پوچھتا ہے تو میں تعیین قسم سے جواب نہیں
دیتا بلکہ اس سے سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ گناہ صغیرہ ہوا تو کیا تمھارا ارادہ اسکے ارتکاب کا ہے
اگر اس نے کہا نہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر تمھارا اس سوال سے مقصود کیا ہے اور اگر کہتا ہے
کہ جی ہاں گناہ صغیرہ ہوا تو میں ارتکاب کا قصد رکھتا ہوں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ تم قابل
خطاب نہیں ہو بندہ خدا کیا تم اسکو گوارا کر سکتے ہو کہ تمھارے چھپر میں ایک چھوٹی سی چنگاری
لگا دی جائے حالانکہ اسکی حقیقت ہی کیا ہے چھوٹی چنگاری تو اکثر خود ہی بجھ جاتی ہے
اسمیں کچھ زیادہ اندیشہ نہیں مگر باینہمہ کوئی شخص ذرا سی چنگاری کو بھی اپنے چھپر کیلئے
گوارا نہیں کرتا اور یہی کہا جاتا ہے کہ صاحب خدا بری گھڑی نہ لائے بعض دفعہ یہ چھوٹی
سی چنگاری غضب ڈھا دیتی ہے افسوس ایک چار روپیہ کے چھپر کی تو اتنی قدر اور ایسی احتیاط
اور متاع ایمان کی ایسی بے قدری کہ اسمیں گناہ صغیرہ کی چنگاری لگانا گوارا ہے یہاں یہ اندیشہ
کیوں نہیں ہوتا کہ بعض دفعہ چھوٹی سی چنگاری بھی غضب ڈھا دیتی ہے اسی لئے اہل اجتہاد
نے متروک کی دو قسمیں نہیں کی بلکہ وہ تمام افعال متروکہ کو ضروری الترک سمجھتے ہیں خواہ وہ
حرام ہوں یا مکروہ تنزیہی بس ثابت ہو گیا کہ اجزاء دین کی تین ہی قسمیں ہیں (۱) طاعات
واجبہ (۲) طاعات مستحبہ (۳) معاصی حتمیۃ الترک ۔ اور چار اقسام ہونیکا جو احتمال تھا

وہ محض عقلی احتمال تھا ورنہ حقیقت میں مکروہ تنزیہی بھی معاصی بالمعنی الاعم میں داخل ہے اور اسکا ترک بھی ضروری ہے اور یہی تین اجزاء مجاہدہ کے بھی ہیں پس مجاہدہ کی حقیقت یہ ہوئی کہ اعمال واجبہ و مستحبہ کو بجا لائے اور معاصی سے اجتناب کرے اسی کا بیان اس آیت میں ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین ٥ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستے دکھلا دینگے - فینا میں یا تو فی سببیہ ہے یعنی جاھدوا لاجلنا اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جو ہمارے واسطے محنت برداشت کرتے ہیں یا ظرفیہ ہے تو مضاف مقدر ہے یعنی جاھدوا فی دیننا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو ہمارے دین میں محنت کرتے ہیں اور دین خدا کا راستہ ہے چنانچہ دین کا لقب ارشاد ہے صراط اللہ الذی لہ ما فی السموات الخ اسلئے میں نے اولا ترجمہ میں کہا تھا جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں - اگر فی سببیہ ہے تو اس قید کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہدایت سبیل کا وعدہ اس مجاہدہ کیلئے ہے جو محض ہمارے لئے مجاہدہ کرے ریا وغیرہ کیلئے نہ کرے اور اگر ظرفیہ ہے تو فائدہ قید کا یہ ہوگا کہ یہ وعدہ ہر مجاہدہ کرنے والے کیلئے نہیں بلکہ اس شخص کیلئے ہے کہ جو ہمارے راستہ کے موافق یعنی شریعت کے مطابق مجاہدہ کرے کیونکہ خدا کیلئے تو جوگی اور راہب بھی مجاہدہ کرتے ہیں مگر ان کو وصول نصیب نہیں ہوتا کیونکہ انکا مجاہدہ خلاف شریعت ہے گو بعض دفعہ یہ لوگ ایسے مجاہدہ کرتے ہیں کہ مسلمان اسکا عشر بھی نہیں کرتے مگر سب بیکار ہے مسلمان کو شریعت کے موافق سہل سہل مجاہدوں میں جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ کفار کو سخت سے سخت مجاہدوں سے عمر بھر بھی نصیب نہیں ہو سکتا وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان کا مجاہدہ خدا کے راستہ پر ہے اور کفار کا مجاہدہ خلاف طریق ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ کفار میں جو لوگ ریاضت و مجاہدہ کرنیوالے ہیں وہ بہ نسبت عام کفار کے راستہ سے بہت دور ہیں کیونکہ غلط راستہ پر تو دونوں ہیں مگر عام کفار تو اس غلط راستہ پر آہستہ آہستہ چل رہے ہیں اور مرتاضین بہت تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو شخص غلط راستہ پر تیزی کے ساتھ چلیگا وہ سیدھے راستہ سے بہت دور ہو جائیگا بخلاف اس کے جو غلط راستہ پر آہستہ آہستہ چل رہا ہے گو وہ بھی سیدھے راستہ سے دور ہے مگر زیادہ

دور نہیں ہوا اسی لئے عام کفار کا اسلام کی طرف کسی وقت مائل ہو جانا زیادہ متوقع ہے بہ نسبت ان کے خواص کے چنانچہ یہ جوگی اور سنیاسی وغیرہ بہت ہی کم اسلام لاتے ہیں اور راز اسمیں یہ ہے کہ مجاہدات سے کچھ نفسانی کیفیات ان پر وارد ہونے لگتی ہیں بعضوں کو وقائع مستقبلہ کا کشف بھی ہونے لگتا ہے اور گو ان چیزوں کو قرب حق میں کچھ دخل نہیں مگر وہ لوگ اپنی جہالت سے انکو مقصود سمجھتے ہیں اور جب بزعم خود ان کو مقصود حاصل ہو گیا تو اب وہ اپنے طریق کفر پر پہلے سے زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حصول مقصود کیلئے ہمارا طریقہ کافی ہے اور عام کفار کو چونکہ یہ باتیں پیش نہیں آتیں اسلئے ان کو اپنے طریق کے حق ہونیکا ویسا جزم نہیں ہوتا جیسا اہل ریاضت کو ہوتا ہے یہی راز ہے اسمیں کہ ہمارے حضرات نے ہندوؤں کو ذکر شغل کی تعلیم کرنے سے منع فرمایا ہے گو ناواقف لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ان کو خدا کا نام بتلا دینا چاہیئے اسمیں حرج کیا ہے شاید کسی وقت رفتہ رفتہ اسلام کی طرف آجائے مگر محقق جانتا ہے کہ حالت کفر میں ذکر شغل کرنے سے وہ اسلام سے قریب نہ ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ دور ہوگا کیونکہ ذکر شغل سے اسپر کیفیات نفسانیہ کا ورود ہوگا جنکو وہ مقصود سمجھیگا اسکے بعد یہ خیال جم جائیگا کہ میں اپنے کفر پر رہ کر بھی مقصود کو حاصل کرسکتا ہوں تو اب اس کے اسلام کی کوئی امید نہیں یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ان جوگیوں کو عام کفار سے اچھا سمجھتے ہیں اور بعض لوگ غضب کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو صاحب باطن سمجھتے ہیں چنانچہ آج کل ایک رئیس المشرکین[1] کے ساتھ بہت سے مسلمانوں کو اس قسم کا اعتقاد ہے اور اسکی کرامتیں بیان کیجاتی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ان لوگوں نے بس مطلق مجاہدات کا نام تصوف رکھ لیا ہے اور چند تصرفات کو ثمرہ تصوف سمجھ لیا ہے حالانکہ تصوف نام ہے مجاہدہ بطریق الاسلام کا جسکا ثمرہ رضا و قرب حق ہے کفار کے مجاہدوں کو تصوف سے کیا نسبت اور ان نفسانی تصرفات کو قرب حق سے کیا تعلق یہ تو ادنی مشق سے ایک مسمریزم والا بھی کرسکتا ہے تو بس وہ بھی صوفی ہوگئے افسوس یہ ہے کہ اس غلطی میں بہت سے لکھے پڑھے مبتلا ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مسائل

[1] مراد گاندھی ہے۔ ۱۲ جامع

تصوف کو کسی محقق سے حاصل نہیں کیا محض سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لیا ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کافر کو ان لوگوں نے موحد کدھر سے بنا لیا حالانکہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہیں دیکھا ہندو ہوں بس وہی مثال ہے مدعی سست گواہ چست۔ اور یہاں سے ان سالکین کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو ان کیفیات و تصرفات اور کشف وغیرہ کو مقصود سمجھتے ہیں یاد رکھو ان کیفیات اور کشف کو مقصود سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ یہ نفسانی کیفیات تو یکسوئی سے ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہیں (جن کیفیات کو قرب میں کچھ دخل ہے وہ ان نفسانی کیفیات سے بالکل جدا ہیں اور یہ وہ کیفیات ہیں جو تجلی صفات الٰہیہ سے سالک پر وارد ہوتی ہیں باقی ذوق و شوق کا غلبہ یا یکسوئی کا بڑھ جانا یہ سب نفسانی کیفیات ہیں انکو مقصود سے کچھ نسبت نہیں ہاں اگر یہ شخص صحیح راستہ پر چل رہا ہے تو ان نفسانی کیفیات سے طریق میں سہولت ہو جاتی ہے باقی انہی کو مقصود سمجھ لینا یہ مقصود سے بےخبری کی دلیل ہے ۱۲) یاد رکھو تصوف سے اصل مقصود یہ ہے کہ اعمال شرعیہ یعنی طاعات واجبہ و مستحبہ کا بجا لانا اور معاصی سے اجتناب کرنا یہ بندہ کی طبیعت ثانیہ بن جائے بس یہ وہ چیز ہے جس سے قرب و رضا حق حاصل ہوتی ہے کیفیات و کشفیات کو اس سے کچھ تعلق نہیں اگر ایک شخص ادا طاعات و اجتناب عن المعاصی میں پختہ ہو وہ کامل صوفی ہے گو کیفیات کچھ بھی اس پر وارد نہ ہوتی ہوں اور جس پر کیفیات بکثرت وارد ہوتی ہوں کشف و تصرف میں بھی ملکہ رکھتا ہو مگر ادا امر و نواہی میں پختگی حاصل نہ ہو وہ صوفی نہیں خوب سمجھ لو بس یہ وہ معیار ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد ارشاد ہے وان اللہ لمع المحسنین بعض نے اس کو اس مجاہدہ کے مقصود پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں اول ان کو راستہ بتلا دیا جاتا ہے پھر جب وہ راستہ طے کر لیتے ہیں اس وقت انکو نسبت احسان حاصل ہو جاتی ہے جس سے ان کے ساتھ معیت الٰہیہ قائم ہو جاتی ہے اب وصول ہو گیا خلاصہ یہ ہوا کہ الذین جاھدوا فینا میں طریق کا بیان تھا اور ان اللہ لمع المحسنین میں مقصود کا بیان ہے مگر میرے نزدیک یہاں صریح طور پر مذکور نہیں اور ان اللہ لمع المحسنین بھی طریق ہی کے متعلق ہے اور صریح اسلئے کہا کہ آگے میں یہ دعوی کروں گا کہ ہدایت سے یہاں ایصال

مراد ہے ارادت طریق مراد نہیں اور ایصال کے ضمن میں ظاہر ہے کہ وصول کا بھی ذکر ہو گیا جو کہ مقصود ہے مگر یہ ذکر تبعاً ضمناً ہے نہ کہ قصداً و استقلالاً اب سنئے کہ سیکے نزدیک ان اللہ لمع المحسنین کو طریق کے ساتھ کس طرح تعلق ہے بات یہ ہے کہ جب الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا میں یہ وعدہ کیا گیا کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستہ پر پہنچا دیتے ہیں اسکو سنکر کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ راستہ تو بہت طویل ہے کیونکہ خدا کا راستہ ہے جو کہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں تو ان تک پہنچنے کا راستہ بھی بہت دور و دراز ہوگا چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ہر چہ بروے میرسی بروی مایست

اور ایک محقق کہتے ہیں ؎

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا کہ میبالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

تو اس بنا پر اس راستہ کا تو قطع ہونا محال ہے تو اسکو اختیار کون کرے اور اس کیلئے مجاہدہ کرنے سے کیا حاصل جب طے ہی نہیں ہو سکتا عارف شیرازی نے ایک جگہ درازی طریق ہی سے پریشان ہو کر فرمایا ہے ؎

تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من پیادہ میروم وہمرہاں سوار انند

یہاں دوسروں کو سوار اپنے لحاظ سے فرما دیا کہ دوسرے میری نسبت سے ذرا تیز چل رہے ہیں باقی فی نفسہ یہاں کوئی سوار نہیں اس راستہ کو طے کرنے کیلئے سب پیادہ ہی ہیں کسی کے پاس کوئی سواری ایسی نہیں جو اسکو طے کر سکے چنانچہ اسی لئے ایک شعر میں سبکو صیغہ جمع میں جمع کر کے یوں فرمایا ہے ؎ ما بداں مقصد عالی نتوانیم رسید + ہاں اس میں سبکی نسبت یہی فرمایا ہے کہ ہم اس مقصد عالی تک نہیں پہنچ سکتے یہاں سوار و پیادہ کی کوئی خصوصیت نہیں بیان فرمائی بس اس راستہ میں جو لوگ سوار بھی ہیں وہ ایسے سوار ہیں جیسے بچے نے پر سوار ہوا کرتے ہیں آپنے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ لکڑی کا گھوڑا بنا کر بھاگے بھاگے پھرا کرتے ہیں تو کیا اس سواری سے وہ امریکہ پہنچ سکتے ہیں ہرگز نہیں امریکہ تو کیا پہنچتے جلال آباد ع تک بھی نہیں جا سکتے تو ان اللہ لمع المحسنین میں اس اشکال کا جواب

ع یہ ایک قصبہ ہے تھانہ بھون سے دس بارہ میل ہے

دیا گیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ تم گھبراؤ نہیں جب تم مجاہدہ کروگے ہم تمکو منزل مقصود پر پہنچادینگے اور راستہ اس طرح قطع ہوگا کہ ہم خود تمھارے ساتھ ہوں گے جب تم تھک جاؤگے تو ہم تم کو گود میں اٹھاکر پہنچادینگے اسی کو وہی عارف جنھوں نے ؎ ما بداں مقصد عالی نتوانیم رسید بوطریق کی درازی اور اپنے ضعف پر نظر کرکے فرمایا تھا آگے کہتے ہیں کہ ہاں ایک صورت پہنچنے کی وہ کیا ؎ ہاں مگر پیش نہد لطف شما گامے چند۔ کہ آپکا لطف بھی کچھ قدم آگے رکھے تو پھر دم بھر میں راستہ طے ہے تو اس آیت میں ان اللہ لمع المحسنین ایسا ہے جیسے آپ ایک بچہ سے جو گھٹنیوں چلتا ہے یہ کہیں کہ جلال آباد پہنچ جانا ہے کہ اسکے لئے اسکی کوئی صورت نہیں بچہ کہتا ہے کہ میں چلتا ہوں لیکن اگر تھک گیا تو کیا ہوگا اسپر مربی کہتا ہے کہ جب تم تھک جاؤگے ہم گود میں اٹھالیں گے بس اب اسکی ہمت بندھ جاتی ہے پھر وہ دو چار ہی قدم چلتا ہے کہ مربی کو شفقت کا جوش ہوتا ہے وہ جلدی ہی اسے گود میں لے لیتا ہے یہی مطلب اس جملہ کا ہے کہ تم محنت کرو ہم تمھاری انگلی پکڑکے لے چلیں گے ہم تمھارے ساتھ چلیں گے اور قاعدہ ہے کہ جب مربی بچہ کی انگلی پکڑ لیتا ہے تو وہ بے فکر ہوجاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بے فکر رہو ہم تم کو خود لیکر چلیں گے تنہا نہ چھوڑینگے انگلی پکڑکے لے چلنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی عالمگیر کے زمانہ میں ایک راجہ کا انتقال ہوگیا اس کے ایک نابالغ لڑکا تھا اسلیئے تخت کا مدعی بھائی ہوا مگر وزرا چاہتے تھے کہ تخت کا مالک لڑکا ہو لیکن اسکی امید کسی کو نہ تھی سب کا یہی خیال تھا کہ عالمگیر تخت کا مالک بھائی کو بنادینگے اور نابالغ لڑکے کو محروم کردینگے وزراء نے یہ تدبیر کی کہ اس نابالغ لڑکے کو اپنے ساتھ لیکر دہلی چلے کہ شاید عالمگیر کو صورت دیکھکر رحم آجائے تمام راستہ وزیر اعظم اس لڑکے کو آداب شاہی وضروریات سکھاتا جارہا تھا کہ یوں سلام کرنا اور عالمگیر یہ سوال کریں تو یہ جواب دینا یہ بات پوچھیں تو تم یہ کہنا جب وزیر سب کچھ پڑھا چکا اور دہلی میں داخل ہوئے تو لڑکے نے کہا کہ بھلا اگر عالمگیر نے ان سوالات کے علاوہ کوئی اور سوال کیا تو میں کیا جواب دونگا وزیر اس ذہانت کے سوال سے دنگ رہ گیا اس نے کہا صاحبزادے جس خدا نے تمھارے دل میں

اسوقت یہ سوال ڈالا ہے وہ وقت پر عالمگیر کی بات کا جواب بھی سنکر دل میں ڈالدیگا
بس اب میں مطمئن ہوں غرض یہ لوگ بچہ کو لیکر عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے
عالمگیر اسوقت زنانہ محل میں حوض کے کنارہ پر غسل کررہے تھے اطلاع ہونے پر اندر ہی
بلالیا وہ حاضر ہوا اور سلام کیا انھوں نے کھیل کے طور پر اس بچہ کے دونوں ہاتھ
پکڑ کے حوض میں لٹکا دیا اور کہا چھوڑدوں بچہ ہنسا عالمگیر نے سمجھے کہ بے وقوف معلوم ہوتا ہے
بھلا یہ ہنسنے کا کونسا موقعہ تھا پوچھا ہنستے کیوں ہو بات کا جواب دو بچہ نے جواب دیا کہ
حضور کی بات پر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی حضور کی تو یہ شان ہے کہ آپ جسکی انگلی پکڑ لیں
وہ بھی ہلاک نہیں ہوسکتا اور میرے تو دونو ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہیں بھلا میں کیونکر ڈوب
سکتا ہوں پھر مجھکو کا ہے سے ڈراتے ہیں عالمگیر کو اس جواب پر وجد آگیا اور فرمایا لڑکا
بہت ہوشیار ہے تخت کا مالک اسی کو بنایا جاتا ہے تو صاحبو جب ایک بیچارہ عاجز
عالمگیر جسکا ہاتھ پکڑلے وہ ہلاک نہیں ہوسکتا تو خدا تعالیٰ جسکا ہاتھ پکڑلیں گے وہ کیونکر ہلاک
ہوسکتا ہے (اسوقت حضرت مولانا پر خاص حالت تھی اور سامعین کا عجیب حال تھا ۱۲ جامع)
یقیناً ہلاک نہیں ہوسکتا بس گو یہ راستہ بہت طویل ہے اور نہایت خطرناک مگر معیّت
حق کی وجہ سے پھولوں ہلکا ہوجاتا ہے اور بہت نزدیک ہوجاتا ہے لیکن یہ بھی سمجھ لینا
چاہیئے کہ وہ مجاہدہ کرنیوالے کون ہیں جنکے ساتھ معیّت حق ہوتی ہے والذین
جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کے بعد ان اللہ مع المحسنین بڑھا کر اسپر
بھی تنبیہ فرمادی کہ ہم ہر مجاہدہ کرنے والے کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ جو محسن ہو ہم اس کے
ہمراہ ہونگے بعض لوگ مطلقاً زیادہ مجاہدہ کرنے والوں کو مقرب سمجھتے ہیں خوب سمجھ لو
کہ زیادہ چکی پیسنے پر قرب کا مدار نہیں بلکہ اسکا مدار احسان پر ہے چکی پیسنے پر مجھے یاد آیا
کہ ایکبار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کے ایک مدرس کو معزول
کرنا چاہا کیونکہ ان کی ترتیب تعلیم اچھی نہ تھی مہتمم صاحب نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ
ان کو معزول نہ کیا جائے کیونکہ یہ محنتی بہت ہیں تو مولانا نے فرمایا کہ اگر زیادہ محنتی ہونا ہی
معیار انتخاب ہے تو تمہاری مجھ سے زیادہ محنتی ہے اور ارزاں بھی ہے پھر مجھے چالیس

بچاس روپیہ کا مدرس کیوں بنا رکھا ہے میری جگہ ایک پسنہاری کو بٹھلا دیا ہوتا وہ مجھسے زیادہ محنت کریگی اور دو آنہ روز لیا کریگی (سبحان اللہ کیا علوم ہیں ان حضرات کے ۱۲ جامع) آجکل یہ بڑا خبط ہے کہ محنتی ہونیکو کمال کا معیار سمجھتے ہیں یاد رکھو زیادہ مجاہدوں پہ قرب کا مدار نہیں نہ یہ معیار کمال ہے بلکہ اس طریق میں اصل مدار احسان پر ہے جسکے لغوی معنی نیکو کردن عبادت ہے اور جسکی تفسیر خلاص سے کیگئی ہے اور حقیقت اسکی ایک حدیث میں بیان کیگئی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی تعبد اللہ مشابہا بانک تراہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالی کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جبکہ اسکو دیکھتے ہوتے کیونکہ تم اگر اسکو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمکو دیکھ رہا ہے اور اس کا بھی مقتضا وہی ہے جو تمھارے دیکھنے کی حالت کا مقتضا ہے اور خدا کا تمکو دیکھنا یقینی ہے پس اسلئے ایسی ہی عبادت کرو جیسی اسکو دیکھکر کرتے چنانچہ ظاہر ہے کہ حق تعالی کو دیکھتے ہوئے عبادت نہایت کامل ہوگی جیسے سڑک کوٹنے والا مزدور اگر حاکم کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ لے تو اسوقت خوب کام کرتا ہے لیکن اگر مزدور کو حاکم خود بھی نظر نہ آئے مگر کسی معتبر ذریعہ سے اسے معلوم ہو جائے کہ حاکم میرے کام کو دیکھ رہا ہے تو اسوقت بھی اسکی وہی حالت ہوگی جو آنکھوں کے سامنے حاکم کو دیکھنے کے بعد ہوتی اور مسلمان کیلئے خدا و رسول کے ارشاد سے بڑھکر کیا چیز ہو سکتی ہے جب قرآن و حدیث میں اسکی تصریح ہو چکی کہ حق تعالی بندوں کے افعال کو دیکھ رہے ہیں تو ان کی حالت عبادت میں وہی ہونی چاہیے جو حق تعالی کو دیکھکر ہوتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالی کو دیکھنے کے بعد بہت ہی اچھے طریق سے عبادت ہوتی اور وہ اچھا ہونا یہ ہے کہ ظاہراً ارکان اسکے مکمل ہوں اور باطناً اسمیں ریا وغیرہ کا خیال پاس بھی نہیں آسکتا اسوقت تو اپنی بھی خبر نہ رہے گی دوسروں کی تو کیا خبر ہوگی جنکو عمل دکھلانے کا خیال ہو ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد　　جہاں سر بجیب عدم در کشد

اور یہی حاصل ہے اخلاص کا اس حدیث کی ایک تفسیر مشہور اسکے علاوہ بھی ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے اسکے دو جملوں سے اسمیں دو مرتبے نکالے ہیں اور وہ دو مرتبہ گو فی نفسہ

صحیح ہیں مگر معلوم حدیث کے الفاظ کی دلالت اس پر کیسے ہو گئی اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ اول تو عبادت اس طرح کرنی چاہئے جیسے گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو یہ تو اعلیٰ مرتبہ ہے اور اگر ایسی عبادت نہ ہو سکے تو کم از کم ایسی ہی کرو جیسے خدا تعالیٰ تمکو دیکھ رہے ہیں گویا جملہ اولیٰ میں تو مشاہدہ کی تعلیم ہے کہ عبادت میں حق تعالیٰ کو قلب سے دیکھنا چاہئے اور دوسرے جملہ میں مراقبہ روایت کی تعلیم ہے کہ عبادت میں تصور بھی کر لیا کرو کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں مگر یہ معنی حدیث کے مدلول نہیں ہو سکتے اگر یہ مطلب ہوتا تو عبارت یوں ہوتی فان لم تعبد کانک تراہ فاعبد کا بانہ یراك کیونکہ مرتبہ اولیٰ ان تعبد اللہ کانک تراہ میں تشبیہ ہے اس کے بعد مرتبہ ثانیہ فان لم تکن تراہ میں اسی تشبیہ کی نفی ہوگی اور معنی یہ ہونگے فان تعبد کانک تراہ اور یہ نفی صحیح نہیں کیونکہ بزعم مفسر اس تشبیہ کا مدار تو تصور اور خیال پر ہے کہ ایسی عبادت کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور تصور میں بڑی وسعت ہے اور ایسا فرض بہت سہل ہے تو اسکی نفی کی کیا ضرورت ہے لہذا فان لم تکن تراہ کو تشبیہ و روئیت کی نفی پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور اس صورت میں یہ دوسرا مرتبہ پہلے مرتبے کے مقابل نہیں اسلئے اسکے یہ معنی بیان کرنا کہ اگر تم حالت مشابہ رویت الٰہی پر قادر نہ ہو تو یہی قصور کرو کہ حق تعالیٰ تمکو دیکھ رہے ہیں۔ الفاظ سے نہایت بعید ہے پس صحیح یہ ہے کہ حدیث میں نہ مراقبے کی تعلیم ہے نہ مراقبے کے دو درجے مذکور ہیں بلکہ دوسرا جملہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك پہلے جملے کی علت ہے جسکی تقریر آتی ہے اور فا تعلیلیہ کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہے اور علت بیان کرنے کی ضرورت اسلئے ہوئی کہ ان تعبد اللہ کانك تراہ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہی نہیں تو ایسی عبادت کیونکر کریں جیسی خدا کو دیکھکر کرتے تو جملہ ثانیہ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا اور بتلایا گیا کہ بدون خدا کو دیکھے ہوئے بھی ویسی عبادت ہو سکتی ہے جیسی دیکھنے کے بعد ہوتی کیونکہ اگر تم نہیں دیکھتے تو اس کا تو یقین ہے کہ وہ دیکھتے ہی ہیں اور اس یقین کا بھی اثر وہی ہے جو تمھارے دیکھنے کا اثر ہوتا اسکی وضاحت کیلئے میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں مولوی محمد سعید صاحب کیرانوی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب میں قسطنطنیہ گیا اور سلطان عبدالحمید خان رحمۃ اللہ علیہ کے ایوان کی طرف چلا تو اول تو

میں بے فکری کے ساتھ چلا جب قصر شاہی میں قدم رکھا اسوقت یہ تحقیق ہوا کہ سلطان کا جو خاص کمرہ ہے سلطان اس کمرہ میں کبھی سیر و تفریح کے لئے آبیٹھتے ہیں اسوقت اس میدان میں چلنے والے سب ان کے سامنے ہوتے ہیں مولوی سعید صاحب کہتے تھے کہ بس یہ تصور کر کے کہ شاید اسوقت سلطان مجھے دیکھ رہے ہوں میری یہ حالت تھی کہ قدم نہ اٹھتا تھا اور میں گردن جھکائے نہایت ادب سے چل رہا تھا اس میدان میں چاروں طرف پھول پھلواری اور عمدہ عمدہ درخت لگے ہوئے تھے مگر میں نے ایسی نگاہیں نیچی کیں کہ کسی چیز کو بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی حالانکہ اسوقت تک نہ میں نے سلطان کو دیکھا تھا نہ یہ یقین تھا کہ وہ مجھکو اسوقت دیکھ رہے ہیں محض احتمال تھا کہ شاید دیکھ رہے ہوں مگر اس احتمال ہی سے میری وہ حالت تھی جسکو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اے صاحبو جب ایک ادنیٰ بادشاہ کے احتمال رؤیت سے یہ حال ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی یقینی رؤیت کے استحضار سے کیسا حال ہونا چاہیے اسکو خود سمجھ لیجئے لہذا فان لم تکن تراہ کا جملہ اولیٰ کے لئے علت ہونا اس مثال سے بخوبی واضح ہو گیا۔ الغرض احسان کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت ایسے خلوص و استحضار سے بجا لائے گویا کہ یہ ان کو دیکھ رہا ہے عبادت میں جس شخص کی یہ حالت ہو وہ محسن ہے اور ایسے ہی لوگوں کیلئے معیت حق کا وعدہ ہے ہر مجاہدہ کرنیوالے کیلئے اسکا وعدہ نہیں پس مجاہدہ کو احسان کے ساتھ مقید کر دینے سے معنی یہ ہو گئے کہ جو لوگ اخلاص و احسان کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں ان کے حق میں وعدہ ہے لنھدینھم سبلنا کہ ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرینگے اور اسی تقیید سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اسمیں ہدایت سے ارائت طریق مراد نہیں بلکہ ایصال علی الطریق مراد ہے کیونکہ ارائت طریق صرف مجاہدین مخلصین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کو عام ہے اور سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ لنھدینھم سبلنا مجاہدہ مقید بالاحسان کی جزا ہے پس لامحالہ ہدایت سے وہ معنی مراد لینے چاہئیں جو ایسے مجاہدہ کی جزا ہو کر ایسے مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ دوسرے ہی معنی ہو سکتے ہیں یعنی ایصال علی الطریق خلاصہ یہ ہے کہ راستہ بتانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مسافر کو علامات و نشانات بتلا دیے جائیں کہ اس راستہ میں پہلے ایک کنواں

آئیگا پھر فلاں سمت کو چلنا وہاں ایک درخت ملیگا پھر ایک پہاڑ آئیگا وغیرہ وغیرہ اسکے بعد
مسافر ان علامات کو یاد کر کے چل پڑے تو اس صورت میں بھٹکنے کی بہت گنجائش ہے اور
پریشانی تو ہے ہی جب تک وہ علامات نظر نہ آئیں اسوقت تک چلنے والے کو اطمینان
نہیں ہوتا ہر قدم پر غلطی کا شبہ ہوتا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی نے آپ سے راستہ پوچھا
اور آپ نے بجائے علامات بتلانے کے یہ کیا کہ خود ساتھ ہو لئے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ
اس صورت میں مسافر کا دل کتنا بڑھیگا اور وہ کیسا بےفکر ہو جائیگا خود ہی سوچ لیجئے پس لنھدینھم
میں ہدایت سے یہی دوسرے معنی مراد ہیں کہ جو لوگ اخلاص کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں حق تعالیٰ
ان کو ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیتے ہیں رستہ بتلانے پر اکتفا نہیں فرماتے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ
بلا اختیار عبد اضطراری طور پر پہنچا دیں گے شاید کوئی صاحب یہ سمجھے ہوں کہ جب حق تعالیٰ
ہاتھ پکڑ لیں گے اور خدا کے ہاتھ چھڑانا محال ہے تو پھر ہمارے اختیار کی کیا ضرورت ہے
اب تو لامحالہ پہنچ ہی جائیں گے سو یہ سمجھنا صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں پہنچنے والوں کا کیا کمال ہوا
اور قاصرین کی کیا کوتاہی ہوئی بلکہ حق تعالیٰ کے اس پہنچا دینے میں بھی بندہ کے اختیار کا لحاظ ہے
جب تک بندہ میں ارادہ و طلب رہتی ہے اسوقت تک تو وہ ہاتھ پکڑے رہتے ہیں اور
جب اسمیں ارادہ نہیں ہوتا فوراً ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ صاف ارشاد ہے انلزمکموھا
وانتم لہا کارھون کیا ہم اپنی رحمت کو تمہارے اوپر چپکا دیں گو تم ان سے کراہت
ہی کرتے ہو ایسا نہیں ہوگا بلکہ جب تک تم میں طلب رہیگی اسی وقت تک ہماری طرف سے
عنایات کی بارش ہوگی البتہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا کام صرف قصد مصمم ہے
پھر عمل میں یہ تو مضطرب ہو جاتا ہے اور پھر تو کھینچ تان کر پہنچا ہی دیتے ہیں چنانچہ جو شخص نماز
کا عامل ہے وہ قصد کے ہوتے ہوئے اسکے ترک پر قادر نہیں مگر شرط یہ ہے کہ قصد پیدا ہونیکے
بعد اخیر تک باقی بھی رہے اگر کسی وقت قصد فوت ہو جائیگا تو اسی وقت سے عمل میں خلل
آجائیگا اور وصول میسر نہ ہوگا اسپر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو بارہا نماز کا قصد کرتے ہیں پھر بھی
عمل صادر نہیں ہوتا تو وہ سمجھ لیں کہ ان کے اندر ابھی تک قصد ہی پیدا نہیں ہوا محض تمنا
کا درجہ پیدا ہوا ہے اور تمنا میں اور قصد میں زمین آسمان کا فرق ہے یہاں تک تو آیت

کی تفسیر بھی اور اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مجاہدہ کی حقیقت ارتکاب طاعات
واجتناب معاصی ہے مگر اس پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے میں اسکو بھی حل کرنا چاہتا ہوں
وہ یہ کہ اہل سلوک نے بالاجماع مجاہدہ کی ایک اور قسم بیان کی ہے جو نہ ارتکاب طاعات
میں داخل ہے نہ ترک معاصی کی فرد ہے اور وہ قسم مجاہدہ کی ایسی مشہور اور صوفیہ کے کلام
میں اس کثرت سے مذکور ہے کہ لفظ مجاہدہ سے متبادر وہی مفہوم ہونے لگی ہے اور جو حقیقت
اسوقت بیان کی گئی ہے وہ اس درجہ میں متبادر نہیں ہوتی چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ
کے چار رکن ہیں (۱) تقلیل طعام (۲) تقلیل منام (۳) تقلیل کلام (۴) تقلیل اختلاط
مع الانام اور تقلیل کا لفظ تو میں کہہ رہا ہوں وہ تو ترک ہی سے تعبیر کرتے ہیں مگر مراد انکی
بھی تقلیل ہی ہے جسکو ترک سے اسلیئے تعبیر کیا کہ بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود اگر وہ تقلیل
کا لفظ استعمال کرتے تو ہم لوگوں کو گنجائش ہوتی کہ ذراسی قلت کر کے اپنے کو مجاہد سمجھ لیا کرتے
اور جب ترک کا لفظ اختیار کیا تو ہم ان کے چھوڑنے کا قصد کرینگے اور ترک کلی ہو نہیں سکیگا
اسلیئے لامحالہ تقلیل کے اس درجہ پر جا ٹھہرینگے جو انکا مقصود ہے اب اشکال یہ ہے کہ مجاہدہ
کی یہ قسم نہ تو اعمال میں داخل ہے کیونکہ اعمال اشیاء وجودیہ ہیں اور یہ ارکان اربعہ وجودی
نہیں بلکہ عدمی ہیں چنانچہ اہل سلوک کا ان کو ترک سے تعبیر کرنا اسکی کافی دلیل ہے اور نہ
یہ تروک میں داخل ہیں کیونکہ اوپر تروک کی تفسیر ترک معاصی سے کی گئی ہے اور ان ارکان
اربعہ میں جو ترک ہے وہ مباحات پر وارد ہو رہا ہے کیونکہ کھانا سونا بولنا ملنا جلنا بقدر
ضرورت تو واجب ہے اسکا ترک تو مراد ہی نہیں اور جسکا ترک مراد ہے یعنی زائد از ضرورت
وہ گناہ نہیں بلکہ امور مباحہ ہیں ممکن ہے یہاں کوئی یہ احتمال پیدا کرے کہ جس طرح تم نے اعمال
کی دو قسمیں کی ہیں ایک عمل واجب ایک عمل مستحب اسی طرح ہم تروک کی دو قسمیں کرینگے
ایک ترک معصیت دوسرے ترک مباح تو اب ان ارکان اربعہ کا تروک سے خارج ہونا لازم
نہ آئیگا اسکا جواب یہ ہے کہ مجاہدہ میں وہی چیزیں داخل ہو سکتی ہیں جنکو قرب و ثواب میں
داخل ہو چونکہ عمل مستحب پر ثواب ملتا ہے اسلیئے وہ تو مجاہدہ کی قسم بن سکتا ہے اور مباح میں
کچھ ثواب نہیں نہ عملاً نہ ترکاً اسلیئے ترک مباح مجاہدہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے

کہ جانب اعمال میں صرف عمل واجب و عمل مستحب کو بیان کیا گیا ہے عمل مباح کو بیان نہیں کیا گیا (اور بعض روایات سے جو عمل مباح پر ثواب لتا معلوم ہوتا ہے وہ نیت مخصوصہ کے ساتھ مقید ہے اور اس قید کے بعد وہ مستحب میں داخل ہوجاتا ہے مباح نہیں رہتا غرض یہ مسلم ہے کہ مباحات کو قرب و ثواب میں کچھ دخل نہیں نہ عملاً نہ ترکاً ۱۲ جامع)۔ تو اب اشکال باقی رہا کہ ترک مباح مجاہدہ کی قسم کیونکر بنگیا پھر یہ کسی ایک یا دو شخصوں کا قول نہیں بلکہ سارے اہل طریق کا اس پر اجماع ہے اور مجاہدہ کا ضروری ہونا مسلم ہے تو گویا ان کی ضرورت پر اتفاق ہے اور جسطرح اہل ظاہر کا اجماع حجت ہے اسی طرح اہل باطن کا اجماع بھی حجت ہے کیونکہ تصوف بھی فقہ کی ایک فرد ہے جیسا کہ اہل اصول نے امام ابو حنیفہ رح سے اسکی تصریح کی ہے کہ الفقہ معرفۃ النفس مالہا وما علیہا تو صوفیہ بھی فقہاء امت میں داخل ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسائل ظاہرہ میں فقہاء ظاہر کا اجماع تو حجت ہو اور مسائل سلوک میں فقہاء باطن کا اجماع حجت نہ ہو تو اب اشکال ہر طرح پختہ ہو گیا۔ اب اسکا جواب سنئے بات یہ ہے کہ مجاہدہ تو حقیقت میں ترک معاصی کا نام ہے ترک مباحات حقیقت میں مجاہدہ نہیں لیکن یہ حضرات طبائع کے خواص و کیفیات کو خوب جانتے ہیں جیسے اطباء ظاہر اجسام کے خواص و کیفیات کو جانتے ہیں تو ان حضرات نے طبائع بشریہ کی خاصیت پر نظر کر کے یہ دیکھا کہ مجاہدہ مطلوبہ (یعنی ارتکاب طاعات و اجتناب معاصی) میں بغیر ان ارکان اربعہ کے سہولت نہیں ہوتی چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ مشک کی طرح پیٹ کو آنٹ کر آتے ہیں انکو تراویح پڑھنا موت ہے وہ تو الم ترکیف ہی کی مسجد ڈھونڈتے پھرتے ہیں جب یہ بقر سے زیادہ کھائیں گے تو سورۃ بقرہ ان سے کہاں سنی جائیگی آج کل خانقاہ میں تراویح الم ترکیف ہی سے ہوتی ہے مگر پھر بھی امام سے بعض لوگوں کی درخواست ہے کہ ذرا تیز پڑھا کرو سجدے رکوع میں دیر نہ کیا کرو ان یاروں کو مسئلہ کا پتہ نہیں چلا ورنہ یہ الم ترکیف میں بھی دو رکعتیں کرتے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد اٹھارہ حرفوں کی آیت سے واجب ادا ہوجاتا ہے اس سے کم میں تو واجب ادا نہیں ہوتا اور اس طرح الم ترکیف میں دو رکعتیں بخوبی ہوسکتی ہیں زیادہ کھانیکا یہ اثر تو اعمال پر ہوتا ہے پھر ان ہی بزرگوں کو لوگوں کی طبائع

کلا اندازہ کرکے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ بھی زیادہ تر زیادہ کھانے ہی سے ہوتے ہیں بہت کھانیوالا ترک معاصی پر کم قادر ہوتا ہے اور جو لوگ کم کھاتے ہیں ان کو تقاضائے معصیت کم ہوتا ہے وہ اگر بچنا چاہیں تو سہولت سے بچ سکتے ہیں کیونکہ ان میں قوت بہیمیہ ضعیف ہوتی ہے جیسے بڈھا جسمیں یہ قوت ضعیف ہوتی ہے اگر زنا سے بچنا چاہے تو بآسانی بچ سکتا ہے اسی لئے حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کو تین شخصوں سے زیادہ بغض ہے ملک کذاب و شیخ زان و عائل مستکبر یعنی (۱) بادشاہ جھوٹ بولنے والے کیونکہ عام لوگ اگر جھوٹ بولیں تو وہ حاجت کا بہانہ کر سکتے ہیں کہ صاحب کیا کریں بدون جھوٹ کے کام نہیں چل سکتا مگر بادشاہ کو کس بلا نے گھیرا وہ کیوں جھوٹ بولتا ہے اسکے اوپر کس کا دباؤ ہے یا اسکو کس کے پاس مقدمہ لیجانا پڑتا ہے پس بادشاہ کا جھوٹ بولنا محض خباثت نفس ہے اسی طرح (۲) بڈھا زنا کرنیوالا اسپر بھی خدا کا غضب زیادہ ہے کیونکہ جوان تو کچھ عذر کر سکتا ہے کہ فرط شبق سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا مگر بڈھے پر کیا آفت آئی اسے کونسا شبق بھا دہ تو پہلا سبق سب بھول بھال گیا ابتو وہ نہ معلوم کتنی دیر میں نفس کو آمادہ کریگا کیونکہ غریب مردہ ہو چکا ہے جیسے ایک بڈھے قاضی نے کسی کم عمر لڑکی سے نکاح کیا تھا جو ابھی ان باتوں کو نہ جانتی تھی انھوں نے یہ کہکر راضی کیا کہ ایسا کام ایک بار کرنے سے سو کافروں کے مارنے کا ثواب ہوتا ہے وہ بیچاری راضی ہو گئی دو تین روز کے بعد پھر یہ مسئلہ بیان کیا وہ پھر راضی ہو گئی اسکے بعد جب یہ جوان ہو گئی اور وہ زیادہ بوڑھے ہو گئے تو اب اس نے خود کہنا شروع کیا کہ قاضی جی آؤ کافروں کو ماریں خیر قاضی جی جہاد کو تیار ہو گئے تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے پھر کہا قاضی جی نے پھر بھی ہمت کی جب کئی دفعہ یہ قصہ ہوا تو قاضی جی گھبرا کر باہر چلے گئے بیوی نے لڑکے کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ قاضی جی کافروں نے بہت زور کر رکھا ہے تو قاضی صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نے ان کافروں سے صلح کر لی ہے بس یہی حال بڈھے کے نفس کا ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کافروں سے صلح کر چکا ہے اب اسکا زنا پر اقدام کرنا سوائے شرارت نفس کے اور کچھ نہیں (۳) اور عائل متکبر کی مذمت اسلئے ہے کہ تونگر کے پاس تو تکبر کا کچھ سامان بظاہر موجود ہے مفلس قلاش کس بات پر اینٹھتا ہے یہ خواہ مخواہ

فرعون بے سامان بنا جاتا ہے جیسے ایک شخص غریب تھا مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ میں روز نہ گھی دودھ اور قورمہ پلاؤ کھاتا ہوں اور لوگوں کو دکھانے کیلئے مونچھوں کو تیل ملکر نکلا کرتا تھا تا کہ لوگ سمجھیں کہ پلاؤ کا گھی لگ رہا ہے ایک دن جو آپنے چراغ میں سے مونچھوں کو تیل لگایا تو چراغ کی بتی بھی ساتھ میں آگئی اور داڑھی میں الجھی رہ گئی اس شان سے جب آپ باہر نکلے تو اسدن سب قلعی کھل گئی تو غریب ہوکر متکبر بننا نہایت حماقت ہے غریبی کا تو مقتضاہی تواضع ہے ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست　　　　گدا اگر تواضع کند خوی اوست

اس سے معلوم ہوا کہ فقیر و مفلس کی عادت تواضع ہی ہوا کرتی ہے یہ گفتگو تو حدیث کے متعلق تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ کم کھانیوالا گناہوں سے بسہولت بچ سکتا ہے جیسے بد متھا زنا سے آسانی کے ساتھ بچ سکتا ہے الغرض غور سے دیکھا جائے تو سب گناہ زیادہ کھانے ہی کی طرف لوٹتے ہیں جیسے مولوی اللہ بخش صاحب وعظ میں گناہوں کی فہرست گنا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے ان کے نزدیک سب گناہ مرچوں ہی کی وجہ سے ہوتے تھے لوگ تو اسکو ہنسی میں اڑاتے ہیں مگر میں نے اس کلام کی یہ تاویل کی ہے کہ مرچ سے کھانا لذیذ ہو جاتا ہے اور لذت کی وجہ سے بہت کھایا جاتا ہے اور بہت کھانا گناہوں کا سبب ہے اس طرح مرچوں کو اس فساد میں دخل ہو گیا خیر مرچوں کا فساد تو ہو یا نہ ہو لیکن یہ کلام محقق ہے کہ اکثر گناہ زیادہ کھانے سے ہوتے ہیں یہ ساری باتیں مستی ہی میں سوجھتی ہیں کہ کسی کو گھور لیا کسی کو چھیڑ دیا کسی کے عاشق ہو گئے بھوکے کو یہ مستیاں نہیں سوجھتی جس کے گھر میں سال بھر کا غلہ بھرا ہوا ہو وہ تو عورتوں ہی کو گھوریگا اور کیا کریگا کیونکہ معاش کی طرف سے بیفکری ہے کام کچھ ہے نہیں تو ایسا ہی قصوں میں وقت گذارتے ہیں ہاں اگر کبھی ان مستوں پر مقدمات قائم ہو جاتے ہیں اسوقت ساری مستی نکل جاتی ہے اب نہ کسی کو گھورنے کی مہلت ہے نہ عشق ظاہر کرنے کی ہمت ہے ہر وقت مقدمہ کی فکر لگی رہتی ہے اور اس فکر میں کھانا پینا سونا بھی حرام ہو جاتا ہے اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ انسان کو بیکار نہ رہنا چاہیے کسی نہ کسی کام میں لگا رہنا چاہیے دین کا کام

نہ ہو سکے تو دنیا ہی کے کسی مباح کام میں لگا رہے کیونکہ مشغولی میں نفس کو مستی نہیں سوجھتی توجہ کام کی طرف رہتی ہے اور بیکاری میں چاروں طرف ذہن دوڑتا ہے اس راز کو حکام نے بھی سمجھا ہے چنانچہ جو لوگ معطل بیکار رہتے ہیں پولیس زیادہ تر انہی کی نگہداشت میں رہتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کا نام آوارہ گردوں میں لکھا رہتا ہے اور جب کوئی واردات ہوتی ہے ایسے ہی لوگوں کو پکڑا جاتا ہے تو گویا حکام کے نزدیک بھی بیکاری بدمعاشی کا سبب ہے اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کو کوئی دھندا ہوگا وہ فضول پھندوں میں کیا خاک پھنسے گا اسے اپنے کام ہی سے فرصت نہ ہوگی جسکو ہر روز گھاس کھودنے کی فکر ہے وہ عورتوں کو کہاں گھورنے جائیگا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے ساتھ کسی فکر کا لگا ہونا بڑی نعمت ہے کہ یہ بہت سے گناہوں کا دفعیہ ہے خواہ دنیا ہی کا فکر ہو پس غریبوں کو اس نعمت پر شکر کرنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو بےفکری نہیں دی امیرونکو بےفکر دیکھکر غریبوں کی رال ٹپکتی ہے کہ ہائے ہم بھی ایسے ہی بےفکر ہوتے مگر یہ خبر نہیں کہ وہ اس بےفکری سے سیکڑوں گناہوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور تم روٹی کی فکر میں ہزاروں گناہوں سے بچے ہوئے ہو خوب کہا ہے ؎

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند ۔ او مصلحت تو از تو بہتر داند ۔

زیادہ کھانے میں علاوہ اس نقصان کے کہ وہ گناہوں کا سبب ہوتا ہے اور بھی بہت نقصان ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص ہمت کرکے گناہوں سے بچا بھی رہے تو یہ نقصان تو اسے بھی ہوگا کہ نیند زیادہ آئیگی کم کھانے میں نیند کم آتی ہے پیٹ تنکر جب سوؤگے تو نیند بھی تن کر آئیگی اور کچھ بھوک رکھکر کھاؤگے تو رات میں دو تین دفعہ خود بخود آنکھ کھل جائیگی کیونکہ نیند سے وہ تھوڑا بہت کھانا بھی جو کھایا تھا جلدی ہضم ہو جائیگا پھر جب پیٹ کمر سے لگ جائیگا تو ایک کروٹ پر لیٹا نہ جائیگا بار بار کروٹیں بدلوگے اور کئی بار آنکھ کھل کھل جائیگی پھر کیونکہ یہ مسلمان ہے اسلئے ذکر اللہ میں لگ جائیگا اور یہ سوچے گا کہ یہ وقت اور کسی کام کا تو ہے نہیں اور صبح ہونے میں دیر ہے تو بیکار کیوں جاگے لاؤ کچھ اللہ اللہ ہی کرلو تو کم کھانیوالے کو طاعات کی توفیق زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ کھانیوالا تو صبح کو بھی مشکل سے اٹھیگا اسلئے اس شخص کی طاعات بہت کم ہونگی اور اگر بہت کھانیوالا اتفاق سے کسی رات کو جاگ بھی گیا تو کھانیکا ال

ایسا ہوتا ہے کہ اسکو چارپائی سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر اٹھ بھی گیا اور وضو کرکے نماز پڑھنے کو کھڑا ہوا اور نماز باذکر میں لگ گیا تو تھوڑی دیر میں نیند کے جھونکے ایسے آئیں گے کہ سجدہ میں پڑکر خبر بھی نہ رہے گی یا گردن جھکا کر سوتا رہے گا زیادہ کھانے میں دین کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی نقصان ہے کیونکہ کھانے میں اس شخص کی رقم زیادہ خرچ ہوتی ہے ایک شخص فی وقت دس روٹی کھاتا ہے اور ایک چار روٹی کھاتا ہے دونوں کے خرچ میں آدھوں آدھ کا تفاوت ہوگا پھر بہت کھانیوالے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی آئے دن بدہضمی کی شکایت رہتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے تو دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانیوالے کو غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے اسکی تندرستی اچھی رہتی ہے تو دواؤں میں اسکے روپئے نہیں اٹھتے شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ ایک نصرانی بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبیب کو بھیجا تھا کہ یہ مدینہ والوں کا علاج کیا کریگا آپ نے طبیب کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ بغیر بھوک کے کھاتے نہیں ہیں اور بھوک رکھ کر کھانا چھوڑ دیتے ہیں اسلئے ہمکو طبیب کی ضرورت نہیں (قلت اخرجه فی السیرۃ الحلبیۃ قال وورد فی روایۃ انه اھدی مقوقس عظیم القبط الیه طبیبًا لیداوی مرض المسلمین فقال ارجع الی بلدك فلا حاجۃ لنا بك فانا قوم لا ناکل حتی نجوع و نقوم عنه ولم نشبع منه او کما قال ۱۲ جامع) واقعی اس دستور العمل پر

ف میں کہتا ہوں کہ احتمالاً مقوقس کی اس فعل میں ایک گہری چال تھی وہ اس طبیب کے ذریعہ سے غالبًا اہل مدینہ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا تھا کیونکہ عادۃً محسن کیطرف طبیعت کا میلان ضرور ہوجاتا ہے اور طبیب مریض کے حق میں بڑا محسن ہے ہی تو لامحالہ مریضوں کو اسکی طرف میلان ہوگا احسان میں ایک کشش ہے جس سے انسان بالاضطرار محسن کی طرف منجذب ہوجاتا ہے پھر رفتہ رفتہ طبیب کی عظمت دل میں ہوجاتی ہے پھر اسکے مذہب سے نفرت نہیں رہتی حتی کہ اس کے قبول کی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ آج کل متمدن حکومتوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کا یہی طریقہ اختیار کیا کہ پہلے اپنے شفاخانے کھولتے اور غریبوں کا مفت علاج کرتے ہیں اس کے بعد کھلم کھلا مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دقیقہ پر نظر کرکے نصرانی طبیب کو مدینہ میں نہیں رہنے دیا اور گو مسلمانوں کو طبیب کی زیادہ ضرورت نہ تھی مگر استغنا بھی نہ تھا آخر امراض تو صحابہ کو بھی پیش آتے تھے باوجودیکہ وہ اصول حفظ صحت کے پابند تھے ۱۲ جامع

عمل کرکے دیکھیے سب بیماریاں خود ہی بھاگ جائینگی کبھی اتفاقی طور پر بیماری آجائے تو اور بات ہے لیکن مجموعہ امراض تو نہوگا مگر آج کل لوگونکی عادت یہ ہے کہ بھوک لگنے کا کھانا کھانے میں انتظار نہیں کرتے بلکہ اکثر وقت آنیکی رعایت سے کھاتے ہیں کہ کھانا گرم گرم ہے دیر میں کھائینگے تو ٹھنڈا ہو جائیگا لاؤ ابھی کھالیں جی ہاں اسوقت کھانا تو گرم ہے مگر کھانیوالا سرد ہی ہو جائیگا کیونکہ بے بھوک کھانے سے حرارت غریزیہ منطفی ہو جاتی ہے معدہ میں تداخل ہو جاتا ہے پچھلا کھانا ابھی ہضم نہیں ہوا تھا کہ دوسرا اور پہنچ گیا اب معدہ پریشان ہوتا ہے کہ کسی ہضم کروں اور خصوصا یہ امراء کے مشیر تو بہت غضب کرتے ہیں کہ رئیس صاحب کو بھوک نہیں ہے وہ کھانے سے انکار کر رہے ہیں تو مشیر اپنے پیٹ بھرنے کیلئے انہیں رائے دیتے ہیں کہ نہیں حضور کچھ تو کھا لیجیے فاقہ کرنا اچھا نہیں تھوڑا بہت کھا کر نمک سلیمانی استعمال کر لیجیے گا یا سوڈے کی بوتل پی لیجیے گا سب ہضم ہو جائیگا اسپر چاروں طرف سے تائید ہوتی ہے کثرت رائے کے بعد وہ کھانا آتا ہے رئیس صاحب تو دو چار ہی لقمے کھاتے ہیں باقی سب ان مشیروں کے پیٹوں میں اترتا ہے پھر اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ رئیس صاحب کا معدہ بھاڑے کا ٹٹو ہو جاتا ہے کہ بدون نمک سلیمانی یا سوڈے کی بوتل کے کھانا ہضم ہی نہیں کر سکتا بعضے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ سالن میں لیموں نچوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں حضور اب کھائیے دیکھیے کیسا مزہ آگیا ہے لیموں نچوڑنے سے رئیس صاحب کی بھی رال ٹپک پڑتی ہے اور وہ جوں توں کھا لیتے ہیں لیموں نچوڑنے پر مجھے ایک لیموں نچوڑ کی حکایت یاد آئی ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ سرائے میں بیٹھا رہتا تھا اور دو تین لیمو اپنے پاس رکھتا تھا جب کوئی ذی ثروت مسافر سرائے میں کھانا کھانے بیٹھتا یہ جا کر اسکے پیالہ میں لیموں نچوڑ دیتا کہ دیکھیے حضور اس سے سالن کیسا مزہ دار ہو گیا ہے اسکے بعد یا تو وہی انکو بلا لیتا یا یہ خود ہی کھانے لگتے لوگ مروت سے کچھ نہ کہتے اور یہ مفت پیٹ بھر لیتا بس اسکا یہی پیشہ تھا اک ایک پیسہ کے لیموں میں دونو وقت پیٹ بھر لیا کرتا تھا ایک مرتبہ کوئی مسافر دل چلا بھی آ ٹھہرا اس کے پیالہ میں جو اس نے لیمو نچوڑا اور ساتھ کھانا شروع کیا تو اس نے زور سے ایک دھپ رسید کیا تو یہ لیموں نچوڑ کیا کہتا ہے کہ میرے ابا جان بھی مجھے یونہی مار مار کر کھلایا کرتے تھے آپنے وہ زمانہ یاد دلا دیا اور بے حیا پھر بھی کھانے سے

نہ رکا مسافر بھی خاموش ہو رہا کہ جب اس نے مجھے باپ بنا لیا تو اب کیا کہوں واقعی یہ پیٹ بھی سب کچھ کرا دیتا ہے کھانیکے حریص کو نہ حیا رہے نہ شرم یہ تو ہنسی کی بات تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھانا خوب بھوک لگنے پر کھانا چاہئے یہ نہیں کہ اسکے لیے مشورے اور کمیٹیاں کیجائیں اور کثرت رائے پر فیصلہ کر کے کھا لیا جائے چاہے بھوک ہو یا نہ ہو اسلئے میں کھانے پر اصرار کرنیکو بہت برا سمجھتا ہوں کسی کو بے بھوک کھلانا زہر دینا ہے لوگوں میں مرض ہوا کرتا ہے کہ اصرار کر کر کے کھلایا کرتے ہیں خاصکر عورتیں بچوں کو بہت بری طرح ٹھساتی ہیں ایک صاحب نے یہاں غضب کیا کہ ان کے بچے نے روزہ رکھا تھا افطار میں اس نے پانی بہت پی لیا تو روٹی نہ کھائی باپ نے کہا میاں کچھ تو کھا لو اس نے انکار کیا تو کہا اچھا دودھ ہی پی لو اس نے دودھ پی لیا بس روزہ کی گرمی کے بعد جو دودھ معدہ میں پہنچا ہے اس نے فوراً اخلاط میں گڑبڑ پیدا کی اور بچہ ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے سے بچ گیا تو بچوں کو اصرار کر کے کھلانا اور زیادہ برا ہے وہ تو خود ہی کھانیکے بہت حریص ہوتے ہیں اگر بچہ کبھی انکار کرے تو سمجھ لو کہ یا تو اس نے بہت ہی کھا لیا ہے یا کسی مرض کی وجہ سے انکار کرتا ہے اب تم اصرار کر کے ہرگز نہ کھلاؤ یہ تو زیادہ کھانیکے نقصانات تھے مگر اس میں ایک خوبی بھی ہے (یہ لطیفہ کے طور پر فرمایا) وہ یہ کہ زیادہ کھانیوالے کو خدا کی نعمت کی قدر بہت ہوتی ہے یہ کھانے پر بڑی محبت سے گرتا ہے اسلئے میں زیادہ کھانیوالوں کو قدردان نعمت کہا کرتا ہوں۔ کم کھانیوالے کھانے پر اس طرح نہیں گرتے تو ان کو اس نعمت کی قدر زیادہ نہیں جیسے حضرت حاجی صاحب نے ایک موقع پر ایسا ہی فرمایا تھا قصہ یہ ہے کہ حضرت کے ایک مقرب مرید کو کسی شخص نے اپنے مال کی تقسیم کے لئے وصی بنایا تھا کہ اسکو مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے انھوں نے یہ چاہا کہ حضرت کی رائے کے موافق تقسیم کروں چنانچہ مستحقین کے نام ایک پرچہ لکھکر لائے اور حضرت سے عرض کیا کہ میں نے یہ مال ان لوگوں میں تقسیم کرنیکا ارادہ کیا ہے حضرت کی کیا رائے ہے اس پرچہ میں سارے نام ان لوگوں کے تھے جو متوکل تھے حضرت نے فرمایا کہ تم نے فلاں فلاں کے نام نہیں لکھے وہ کہنے لگے کہ حضرت وہ تو امراء سے ملکر مانگ لیتے اور سوال کر کے کھا لیتے ہیں اور یہ لوگ کسی سے مانگنے نہیں جاتے ان کی یہ حالت ہے یحسبہم الجاہل

اغنیاء من التعفف کہ صورت دیکھکر ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے مالدار ہیں جبھی تو کسی سے سوال نہیں کرتے اسلئے ہیں نے ان کو ترجیح دی کہ یہ کسی سے مانگنے نہیں جاتے حضرت نے فرمایا سبحان اللہ جو نعمت کے قدردان ہیں تم ان کو تو دیتے نہیں (جنکو پیسہ پیسہ عزیز ہے جو اسکے لئے عزت و آبرو بھی خرچ کر دیتے ہیں ۱۲) اور ان کو دیتے ہو جنکو سلطنت کی بھی پرواہ نہیں (دوسرے یہ بھیک مانگنے والے اسلئے بھی زیادہ قابل رحم ہیں کہ خدا تعالی بھی ان کے خاص ذمہ دار نہیں چنانچہ ارشاد ہے من جعل همومه هما واحد اهم الآخرة كفى الله همومه كلها ومن تشعبت به الهموم لم يبال الله في اى واد هلك (او كما قال) (ترجمہ جو شخص سارے فکروں کو چھوڑ کر ایک فکر اختیار کر لے یعنی آخرت کی فکر تو حق تعالی اسکے سب فکروں کی کفایت کرتے ہیں اور جو خود مختلف افکار میں مبتلا ہو حق تعالی کو اسکی پرواہ نہیں کہ یہ کس جنگل میں جاکر ہلاک ہو تا ہے ۱۲ جامع) اور متوکلین کے بارہ میں نص موجود ہے۔ ومن يتوكل على الله فهو حسبه جو خدا پر توکل کرے خدا اسے کافی ہے تو جسکا خدا ذمہ دار ہے آپ کو اسکی تو فکر ہوئی اور جسکا خدا بھی ذمہ دار نہیں اسکی فکر نہ ہوئی سبحان اللہ عارفین کے علوم کیسے پاکیزہ ہوتے ہیں ان کی نظر حقیقت پر پہنچتی ہے ورنہ ظاہر میں تو متوکلین کی حالت زیادہ قابل رحم معلوم ہوتی ہے مگر حاجی صاحب نے لطیفہ کے پیرایہ میں بتلا دیا کہ جو سچا متوکل ہے اسکو کسی کے اہتمام کی ضرورت نہیں ارحم الراحمین اسپر رحم کرنے کیلئے کافی ہے باقی جو جھوٹا متوکل ہو وہ محض مدعی ہے اسکا ذکر نہیں جیسے بعض لوگ توکل کا دعوی کرتے ہیں (یہ ایک واقعہ ہے) اور جب پریشانی پیش آتی ہے تو سوداگروں کو خطوط لکھتے ہیں کہ آج کل جاڑے کے کپڑے نہیں ہیں اتنی رقم نہیں جو بنالوں قوت دماغ کیلئے دودھ کی بھی ضرورت ہے مگر وسعت نہیں آپ دعا کریں کہ حق تعالی سب باتوں کا انتظام فرما دیں سبحان اللہ دعا کے واسطے بھی سوداگر ہی رہ گئے تھے اگر سچ مچ دعا کرانا ہی مقصود تھا تو غربا سے کرائی ہوتی اور متوکل کو اپنی ضروریات کیلئے کسی سے دعا کرانے کی ضرورت کیا ہے خدا سے خود کیوں نہیں دعا کرتا ان حرکتوں سے توکل کا نام بھی کیوں بدنام کرتا ہے بس یہ شخص مخلوق کو بے وقوف

سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح لکھنے کو سوال نہ سمجھیں گے مگر آج کل دنیا کے معاملہ میں ہر شخص عقلمند ہے اور یہ تو کوئی ایسی دقیق بات بھی نہیں جسکو کوئی نہ سمجھ سکے کھلی ہوئی بات ہے کہ اپنی حاجات ظاہر کر کے دعا کرانیکا مطلب بجز سوال کے اور کیا ہے مگر امیر بھی توکل چلا جا رہا ہے توکل کیا ہوا بی تمیزہ کا وضو ہو گیا بی بی تمیزہ ایک فاحشہ عورت تھی کسی بزرگ نے اسکو نماز کی تاکید کی اور اپنے سامنے وضو بھی کرا دیا کہ اس طرح وضو کیا کرتے ہیں نماز بھی سکھلا دی ایک مدت کے بعد وہ بزرگ پھر اسکے پاس سے گذرے پوچھا بی تمیزہ نماز پڑھتی رہتی ہو کہا حضور روز پانچوں وقت پابندی سے پڑھتی ہوں پوچھا وضو بھی کرتی ہو کہنے لگی کہ وضو تو اس روز آپنے کرا دیا تھا اللہ کی بندی اسی وضو سے برسوں نماز پڑھتی رہی بس جسطرح اس کا وضو نہ سونے سے ٹوٹتا تھا نہ پیشاب پاخانہ سے نہ زنا کاری سے اسی طرح آج کل بعض لوگوں کا توکل ہے کہ سوال بھی کرلیں اور توکل کے متوکل بنے رہیں استغفر اللہ غرض میں کہہ رہا تھا کہ جو امراء نمک اور چورن کے سہارے کھانا کھاتے ہیں وہ مرض کو خریدتے ہیں اسی طرح جو لوگ مشہیات سے قوت جماع کو بڑھاتی ہیں وہ اپنی صحت برباد کرتے ہیں اسکے لئے بھی یہی قاعدہ ہونا چاہئے کہ بدن سخت تقاضے کے بی بی کے پاس نہ جائیں مشہیات کے استعمال سے قوت زیادہ نہیں ہوتی ہاں استسقاء ہو جاتا ہے جیسے استسقاء والا کتنا ہی پانی پی لے مگر پیاس نہیں بجھتی یہی حال ان لوگوں کا ہو جاتا ہے کہ کثرت مقاربت سے بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی تو یہ صحت کی دلیل نہیں بلکہ سخت مرض ہے جس کا انجام خطرناک ہے اطباء نے استسقاء کی بیماری تو لکھی ہے مگر استطعام کا مرض کسی نے نہیں لکھا مگر ہم نے یہ مرض بھی دیکھا ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنکا کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا وہ کھاتے ہیں اور قے کرتے ہیں اور قے کرکے پھر کھانا شروع کر دیتے ہیں تو بزرگوں نے زیادہ کھانے کے یہ نقصانات دیکھے اسلئے ترک طعام کو مجاہدہ میں داخل کیا اور دوسری چیز تھی زیادہ سونا سو زیادہ سونے میں یہ نقصان ہے کہ اس سے بلادت بڑھ جاتی ہے جس سے قوت فکریہ کم ہو جاتی ہے اور قوت فکریہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام خراب ہوتے ہیں نیز اس سے امور

انتظامیہ میں بہت خلل پڑتا ہے ایسے شخص کو پابندی اوقات کبھی نصیب نہیں ہوتی سوچتا
یہ ہے کہ آج سویرے اٹھکر فلاں فلاں کام کرونگا نیند آئی تو وقت کے بہت بعد آنکھ کھلی
اب اس کام کو دوسرے کاموں کے وقت میں کرتا ہے دوسرے کاموں کو کل پر رکھتا ہے
پھر دوسرے دن ارادہ کرتا ہے کہ آج دوپہر کو ایک گھنٹہ سوؤنگا پھر سویرے اٹھکر کچھ کام
کرونگا وہاں ڈھائی گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی تو پھر سارا نظام درہم برہم ہو گیا روز یہی قصہ رہتا ہے
اسلیئے یہ شخص کبھی منتظم نہیں ہو سکتا اور بے انتظامی جڑ ہے بہت سی خرابیوں کی اس سے
دین کو بھی ضرر پہنچتا ہے اور دنیا کو بھی چنانچہ آج کل ہمارے بھائی دوسری قوموں کو دیکھ
دیکھ کر ترقی کی ہوس کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی ترقی کا راز کیا ہے اس کو بھی اختیار
کریں یاد رکھو ہر کام میں ترقی انتظام سے ہوتی ہے اور جو کام جماعت کے متعلق ہو اسمیں
انتظام اتحاد و اتفاق سے ہوتا ہے جب سب کام کرنیوالے متفق ہوں اور ہر ہر شخص منتظم ہو
اسوقت ترقی ہو سکتی ہے مگر ہمارے بھائیوں کا سارا انتظام تقریروں اور تحریروں تک رہتا ہے
تجویزیں بہت لمبی لمبی اور خوشنما ہوتی ہیں مگر جب کام شروع کرینگے تو اس بے انتظامی سے
جو چار دن بھی نہ چل سکے۔ اور اسکا تجربہ کر لیا جائے کہ انتظام وہی شخص کر سکتا ہے جو کم سوتا ہو
سویرے اٹھتا ہو۔ علاوہ ازیں زیادہ سونے میں جس قدر وقت صرف ہوگا اسمیں کچھ کام نہ ہوگا
نہ دنیا کا نہ دین کا یہ سارا وقت بیکار جاتا ہے بس جتنا وقت طبعی نیند کا ہے (جسکی مقدار اطبا
نے ۶ گھنٹہ لکھی ہے ۱۲ جامع) وہ تو ضرورت میں صرف ہوا باقی سب رائیگاں گیا تو زیادہ
سونے سے دنیا کی بھی کمی اور دین کا بھی نقصان ایسے شخص کی اکثر نمازیں بے وقت یا تنگ
وقت میں ادا ہوتی ہیں خصوصاً عشاء اور فجر اور تہجد تو اسے کہاں نصیب اب تیسری چیز ہے
زیادہ بولنا بزرگوں نے اسمیں یہ نقصان دیکھا کہ اسکے ہوتے ہوئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے
چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ زیادہ بک بک کرتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت میں ضرور مبتلا
ہو جاتے ہیں اور کثرت کلام کے ساتھ ہر بات سوچکر کرنا جو تدبیر ہے معاصی لسان سے بچنے کی
دشوار ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص گناہوں سے بچا بھی رہا تو ایک نقصان سے تو کسی طرح
بچ ہی نہیں سکتا وہ نقصان کرتا ہے ۔

دل زیر گفتن بمیرد در بدن — گرچہ گفتارت بود در عدن

یعنی کثرت کلام[ف] سے دل مرجاتاہے ظلمت پیدا ہوتی ہے قساوت قلب پیدا ہوجاتی ہے اور یہ وہ بلا ہے جسکے بعد کسی گناہ میں مبتلا ہوجانا بھی بعید نہیں ساری طاعات کا مدار حیات قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نور قلب سے ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشا قساوت وظلمت قلب ہی ہے جب قلب میں حیات ولور ہی نہ رہا بلکہ اسکے بجائے قساوت وظلمت پیدا ہوگئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کیلئے قابل ہوجاتا ہے بس کثرت کلام کے ساتھ گناہوں سے بچنا چند دن کا ہوتا ہے پھر معاصی کی طرف میلان ہونے لگتا ہے اب رہی چوتھی چیز یعنی زیادہ میل جول سو اس میں یہ نقصان ہے کہ جتنا وقت اختلاط میں صرف ہوگا اتنی دیر یہ شخص بیکار رہتا ہے دین کا کوئی کام اس سے نہیں ہوتا رہا یہ کہ مسلمانوں سے ملنے میں بھی تو ثواب ہے تو اس سے مراد بقدر ضرورت ملنا ہے اپنے پاس آنیوالوں کی تواضع دس پندرہ منٹ میں ہوسکتی ہے اسکے لئے گھنٹے صرف کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے زیادہ میل جول میں معمولات کی پابندی نہیں ہوسکتی ایک کام لیکر بیٹھے تھے کوئی ملنے آگیا تو کام رخصت ہوا اب باتوں میں گھنٹے لگا دئے جاتے ہیں جس سے سارے کاموں کا حرج ہوجاتاہے تو ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتاہے اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ بے انتظامی دنیا اور دین دونوں کے لئے مضر ہے دوسرے اختلاط میں خاموشی دشوار ہے خواہ مخواہ بولنا ہی پڑتا ہے جسمیں اکثر غیبت و شکایت میں بھی ابتلا ہوجاتاہے تیسرے کثرت اختلاط سے باہم دوستی ہوجاتی ہے جسمیں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہوجاتے ہیں پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان رازوں کو ظاہر کردیتا ہے کیونکہ اسکو انپر ویسا ہی اعتماد تھا جیسا تمکو اسپر مگر بعض دفعہ ان میں تمھارا کوئی دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کرکے تمکو ضرر پہونچا دیتا ہے نیز بعض دفعہ خود آپکا دوست ہی بدل جاتاہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ ایذا دیتا ہے اسی لئے عرب کی مثل ہے اتق شر من احسنت الیہ

ف اس سے مراد وہ کثرت ہے جو اقوال مباحہ میں ہو اور اگر اصلاح خلق و تربیت طالبین کیلئے ہو جسمیں احکام شرعیہ و مسائل سلوک کی تحقیق ہی داخل ہے وہ اس سے خارج ہے کیونکہ یہ کثرت اقوال مباحہ میں نہیں بلکہ اقوال واجبہ یا مستحبہ میں ہے اور ایسے اقوال سب داخل ذکر ہیں اور ذکر سے حیات قلب و نور میں ترقی ہوتی ہے فہم ۱۲ جامع

یعنی جس پر تم نے احسان کیا ہو اسکے شر سے بچتے رہو۔ اور آج کل یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ اس زمانہ میں دوستی اور محبت اکثر اغراض کے لئے ہوتی ہے جب تک غرض پوری ہوتی رہی دوست ہیں اور جسدن اغراض میں کمی آئی اسدن سے دشمن ہیں چنانچہ تجربہ ہو گیا کہ جن لوگوں پر پورا اعتماد تھا کہ یہ دوستی سے کبھی نہ بدلیں گے وہ بھی اپنی اغراض میں کسی وقت نقصان دیکھ کر بالکل بدل گئے اور ایسے بدلے کہ دشمن سے بھی بدتر دشمن بن گئے پھر دشمنی سے دنیا کا ضرر تو ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے دین کا تو کوئی کام بدون اطمینان قلب کے اچھی طرح ہو ہی نہیں سکتا میں کہتا ہوں کہ اسکے بغیر دنیا کا بھی کوئی کام نہیں ہوتا تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے ہمارے حاجی صاحب کو جمعیت قلب کا بہت اہتمام تھا اسی لئے حضرت نے سالکین کو وصیت کی ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں بس سب سے معمولی صاحب سلامت رکھیں کیونکہ دشمنی تو پریشانی قلب کا سبب ہے اور آج کل دوستی بھی اس کا سبب ہو جاتی ہے (جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ۱۲) اس تفصیل سے آپکو زیادہ کھانے زیادہ سونے زیادہ بولنے زیادہ میل جول بڑھانے کے نقصانات اور مضرتیں بخوبی معلوم ہو گئی ہونگی پس گو یہ چاروں فی نفسہ مباح ہیں مگر ایسے مباح ہیں کہ تمام گناہوں کا سلسلہ نسب انہی تک پہونچتا ہے اسلئے بزرگوں نے ان کے ترک کو مجاہدہ میں داخل کیا خلاصہ یہ ہوا کہ مجاہدہ تو ترک معاصی ہی ہے مگر ترک معاصی عادۃً ان ترک اربعہ مباحہ پر موقوف ہے تو انکا ترک بھی مجاہدہ ہوا لان مقدمۃ الواجب واجب جیسے واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے ۱۲) الحمد للہ اس تقریر سے ان ارکان اربعہ کا مجاہدہ میں داخل ہونا واضح ہو گیا اور تقسیم مذکور پر بھی اشکال نہ رہا کیونکہ حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ مجاہدہ حقیقیہ تو ارتکاب طاعات و اجتناب معاصی ہی کا نام ہے اور اس معنی کر یہ ارکان اربعہ مجاہدہ میں داخل نہیں تھے مگر چونکہ اجتناب معاصی عادۃً انہی پر موقوف ہے اسلئے حکماً یہ بھی مجاہدہ میں داخل ہو گئے تو اب مجاہدہ کی دو قسمیں ہو گئیں (۱) مجاہدہ حقیقیہ یعنی فعل طاعات و ترک معاصی (۲) مجاہدہ حکمیہ یعنی ترک المباحات

التی تجر الی المعاصی والی ترک الطاعات (یعنی ان مباحات کا چھوڑنا جو ارتکاب معاصی و ترک طاعات کی طرف مفضی ہوتے ہیں اور وہ یہی چار مباحات ہیں جنکا ذکر بالتفصیل اوپر ہو چکا ہے ۱۲ جامع) ایسے مباحات کا ترک کرنا یہ حکمی مجاہدہ ہے اور چونکہ بوجہ مقدمہ ہونے کے یہ حقیقی ہی کے حکم میں ہے اس لئے اس کے فضائل بھی وہی ہیں جو حقیقی کے فضائل ہیں اور اس کا اہتمام بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا حقیقی مجاہدہ کا اہتمام ضروری ہے اب یہاں ایک اشکال وارد ہوگا وہ یہ کہ جب ان مباحات اربعہ کا ترک کرنا حقیقی مجاہدہ نہیں بلکہ حکمی ہے تو اسکی کیا وجہ کہ صوفیہ نے مجاہدہ کے بیان میں حقیقی سے تعرض ہی نہ کیا بلکہ محض مجاہدہ حکمی کے بیان پر اکتفا کر گئے حالانکہ حقیقی احق بالذکر تھا تو بات یہ ہے کہ مجاہدہ حقیقیہ کا مجاہدہ ہونا تو ظاہر تھا اسکے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ بیان اسی کا کیا جاتا ہے جو خود سمجھ میں نہ آسکے اور جو بات خود سمجھ میں آسکے اسکو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس قاعدہ کو صوفیہ نے سنت نبویہ اور عادت الٰہیہ سے اخذ کیا چنانچہ شریعت نے اسی بات کا امر کیا ہے جسکی طرف از خود توجہ نہ ہو اور اسی بات سے منع کیا ہے جس سے لوگ کم بچتے ہوں چنانچہ شراب نوشی سے منع کیا ہے پیشاب نوشی سے نہیں منع کیا چونکہ شراب نوشی میں لوگوں کو ابتلا تھا اور پیشاب بھلا کون پیتا ہے تو اس سے منع کرنیکی ضرورت بھی اس سے منع کرنیکی ضرورت نہ تھی اس سے تو انسان کی طبیعت خود بھی بچتی ہے ہاں پیشاب لگ جانے کے احکام شریعت نے بیان کئے ہیں کیونکہ اسمیں ابتلا متوقع ہے اسی عادت و سنت کے موافق صوفیہ نے مجاہدہ حقیقیہ سے تعرض نہیں کیا کیونکہ جانتے تھے کہ اسکا مجاہدہ ہونا کسی مسلمان پر مخفی نہ ہوگا اصل وجہ تو اسکے بیان نہ کرنیکی یہ تھی مگر اب جاہل صوفی بلکہ بہت سے لکھے پڑھے صوفی بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ مجاہدہ بس انہی ارکان اربعہ کو سمجھتے ہیں جنکا تعلق مباحات سے ہے اور اعمال واجبہ اور ترک معاصی کا کچھ بھی اہتمام نہیں کرتے چنانچہ ایک صوفی رات بھر جاگتے تھے اور اس غرض کے لئے افیون کھایا کرتے تھے سبحان اللہ بیداری سے تو پرہیز جو فی نفسہ مباح تھا اور نشہ کی چیز سے پرہیز نہیں جو حرام اور اقل درجہ مکروہ تحریمی تو ضرور ہے کیونکہ افیون بقدر سکر کھانا حرام ہے اور اگر قدر سکر سے کم ہو تو ضرورت کے وقت

جائز ہے بلا ضرورت مکروہ ہے اور جاگنا کونسی ضروری بات ہے جسکے لئے افیون کا استعمال جائز ہو جائے بس ان حضرات کی وہی مثال تھی کہ گڑ کھا دیں اور گلگلوں سے پرہیز جیسے آج کل بعضے مولوی ان باتوں سے تو منع کرتے ہیں جنکو وہ خود بھی پہلے سے جائز سمجھتے اور کرتے آتے تھے اور ان باتوں سے نہیں روکتے جنکو ہمیشہ سے حرام سمجھتے تھے اور اگر کسی نے کسی کام کے متعلق ان سے کہا بھی کہ یہ تو گناہ ہے شرک ہے اس سے بھی تو منع کرنا چاہئے تو یہ جواب دیدیتے ہیں میاں اسوقت تو کام ہونے دو گناہ کو بعد میں دیکھ لیا جائیگا یہی مذاق اس صوفی کا تھا کہ اسوقت تو جاگنا چاہئے افیوں کے گناہ کو بعد میں دیکھ لیا جائیگا بھلا ان علماء سے کوئی پوچھے کہ جب تم گناہوں سے مخلوق کو نہیں روکتے تو مباحات سے کیوں روکتے ہو اور جو شخص ان مباحات کا ارتکاب کرے اسپر ملامت اور طعن کیوں کرتے ہو گناہوں میں تو اتنا تساہل اور مباحات سے اتنا اجتناب یہ تو وہی مثال ہوئی جیسے ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تھا اسے حمل رہ گیا بچہ ہوا بدنامی ہوئی کسی دوست نے کہا کمبخت تو نے عزل ہی کر لیا ہوتا جو اس بدنامی کی تو نوبت نہ آتی تو آپ کیا کہتے ہیں کہ ہاں خیال تو ہوا تھا مگر میں نے یہ سُنا تھا کہ عزل مکروہ ہے اسلئے نہ کیا جی ہاں اور زنا تو بہت حلال تھا واہیات مثال تو گندی ہے مگر آج کل کی حالت کے مطابق ہے بہرحال مجاہدہ کی دونوں ہی قسموں کا اہتمام لازم ہے اور یہاں سے علماء خشک کی غلطی بھی ظاہر ہو گئی جو صرف اعمال واجبہ و ترک معاصی ہی کا اہتمام کرتے ہیں مجاہدہ حکمی کا بالکل اہتمام نہیں کرتے بلکہ اسکو مجاہدہ شرعیہ سے خارج سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترک مباحات مجاہدہ کیونکر ہو گیا سو میں بتلا چکا ہوں کہ مجاہدہ حقیقیہ عادۃً ان مباحات کے ترک ہی پر موقوف ہے بدون اسکے ارتکاب طاعات و ترک معاصی میں سہولت نہیں ہوتی اور مقدمہ مامور بہ کا مامور بہ ہوتا ہے تو یہ بھی مجاہدہ شرعیہ میں داخل ہے اور اسکا اہتمام بھی ویسا ہی ضروری ہے بلکہ ایک اعتبار سے مجاہدہ حقیقیہ سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ

؎ سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل
چوں پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

قاعدہ بھی ہے کہ مقاصد سے زیادہ مقدمات کا اہتمام کیا جاتا ہے تب مقاصد حاصل

ہوتے ہیں چنانچہ نحو وصرف میں اسقدر محنت کی جاتی ہے کہ علوم مقصودہ میں اسکی آدھی محنت بھی نہیں کیجاتی بعض دفعہ مطالعہ کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ سبق کا بھی اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ مفتاح استعداد ہے اگر مطالعہ کی استعداد پیدا ہو گئی تو سبق کو بدون استاد کے بھی سمجھ لیگا اسی واسطے حق تعالی نے لا تقربوا الزنا فرمایا ہے (کہ زنا کے پاس مت جاؤ ۱۲) لا تفعلوا الزنا نہیں فرمایا تو لا تقربوا الزنا سے مقدمات زنا سب حرام ہو گئے جیسے نگاہ کرنا تصور کرنا خلوت میں نامحرم کے پاس بیٹھنا اسکو ہاتھ لگانا وغیرہ وغیرہ کیونکہ ان مقدمات کو حرام نہ کیا جاتا تو لوگ ان میں تساہل کرتے اور مقدمات میں مبتلا ہو کر پھر بچنا مشکل ہے پھر تو وہ یہ کہیگا ؎

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردہ ... باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

نامحرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھکر پھر معصیت سے بچا رہنا بہت ہی دشوار ہے شیطان کا مقولہ ہے جو اس نے بعضے بزرگوں سے کہا تھا کہ اگر خلوت میں جنید جیسا مرد اور رابعہ بصریہ جیسی عورت جمع ہو جاویں تو میں ان کے خیالات بھی خراب کر دوں پھر ہماری اور آپ کی تو کیا ہستی ہے اسلئے حق تعالی کی یہ بڑی رحمت ہے کہ جس کام سے منع کرنا چاہا اسکے مقدمات کو بھی حرام کر دیا اگر مقدمات حرام نہوتے تو پھر معاصی سے بچنا بہت لوگوں کے حق میں گویا تکلیف مالایطاق ہو جاتا بھلا ایک بھوکا آدمی تنہا گھر کے اندر دسترخوان بچھا ہے اور روٹی کے سامنے بیٹھا رہے اور روٹی سے صبر کئے رہے بہت مشکل ہے ہاں روزہ دار ہو تو شاید بچا رہے اور اگر روزہ بھی نہو یا یہ شخص روزہ کی فرضیت ہی کا قائل نہو تو پھر بھوکے سے اس حال میں کھانے سے رکنا دشوار ہے شیخ سعدی رح فرماتے ہیں ؎

ملحد گرسنہ در خانہ خالی بر خواں ... عقل باور نکند کز رمضان اندیشد

اسی لئے حق تعالی نے نظر بد سے بھی منع کر دیا گو اہمیں کلفت بہت ہوتی ہے خاصکر دفعۃً نگاہ پڑ جانے کے بعد اسکو فوراً پھیر لینا بڑا گراں گذرتا ہے مگر یہ کلفت تو ایک ساعت کے لئے ہے اگر نگاہ بھر کر دیکھ لیتا تو شاید ساری عمر کا وبال ہو جاتا جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے

؎ درون سینہ من زخم بے نشان زدہ ... بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ

واقعی تیر نگاہ بہت سخت ہوتا ہے یہ تو بعض دفعہ دل میں بیٹھکر نکلنا جانتا ہی نہیں چنانچہ بعض لوگ اس نگاہ کی بدولت ایمان سے بھی گئے شیخ ابن القیم رحنے لکھا ہے کہ ایک شخص ایک لڑکے پر عاشق تھا محبوب اس سے بیرخی کرتا تھا حتی کہ اسی غم میں وہ مرنے لگا کسی نے معشوق کو اطلاع کی اسکو رحم آیا اور اسکے ملنے کے لئے چلا کسی نے عاشق کو خبر کردی کہ وہ آرہا ہے یا تو مر رہا تھا یا سنتے ہی اٹھ بیٹھا لڑکے نے راستہ میں پہونچکر کہ میری بدنامی ہوگی ارادہ ملتوی کردیا اور اپنے گھر کا راستہ لیا اور اس شعر پر عمل کیا ؎

کہا اس بت سے مرتا ہے وہ مومن — کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

کسی نے عاشق کو اسکی بھی اطلاع کردی کہ وہ تو اپنے گھر کو لوٹ گیا بس یہ سنتے ہی گر پڑا اور نزع شروع ہوگیا لوگوں نے کلمہ توحید کی تلقین کی تو بجائے کلمہ کے معشوق کو خطاب کرکے کہتا ہے ؎

رضاكَ اشهى الى فؤادی — من رحمة الخالق الجليل

اور اسی پر ختم ہوگیا نعوذ باللہ اسی طرح میرے کر شناسا ایک بوڑھے قاضی صاحب نمازی ثقہ تہجد گذار تسبیح گردان کسی یہودی پر عاشق تھے خود مجھسے کہتے تھے کہ صاحب میرا تو نہ دین رہا نہ مذہب رہا میرا تو وہی دین ہے جو اسکا ہے اگر وہ مسلمان ہے تو میں مسلمان ہوں اگر وہ یہودن ہے تو میں یہودی ہوں اگر نصرانی ہے تو میں نصرانی ہوں انا للہ وانا الیہ راجعون میں نے کہا توبہ کیجئے خیر توبہ کرلی لوگ اس نظر بد کو ہلکی بات سمجھتے ہیں مگر یہی کمبخت جڑ ہے سارے ناپاک عشق کی جسمیں کبھی ایمان تک بھی برباد ہو جاتا ہے تو کیا اب بھی یہ ہلکی چیز ہے یہ تو بہت سخت احتیاط کے قابل ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

دلبران گر دلبری زینساں کنند — زاہداں را رخنہ در ایماں کنند

اسلئے مجاہدہ حکمیہ کو غیر ضروری سمجھنا زاہدان خشک کی غلطی ہے جیسا کہ حقیقی مجاہدہ کا اہتمام نہ کرنا جہلاء صوفیہ کی غلطی ہے یہانتک مجاہدہ کی حقیقت اور اسکے اقسام معلوم ہوگئے اور اسپر جو اشکالات وارد ہوتے تھے ان کا جواب بھی ہوگیا۔ اب سمجھئے کہ مجھے اصل میں ان طاعات کی حکمت بیان کرنا مقصود ہے جو اس زمانہ میں (یعنی رمضان میں) کی جاتی ہیں تو حق تعالےٰ

نے اول یہ مضمون قلب میں ڈالا کہ مشترک حکمت ان افعال کی مجاہدہ ہے اور یہ مضمون اجمالاً متقدمین کے کلام میں بھی موجود ہے پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی اسکے بعد میرے دل پر یہ بات وارد ہوئی کہ ان عبادات میں تفصیلی حکمت یہی چار مجاہدے ہیں جنکو صوفیہ مجاہدہ کے ارکان اربعہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ان عبادات میں ایک تو روزہ ہے اسکی حکمت تقلیل طعام ہے دوسری تراویح ہے اسکی روح تقلیل منام ہے تیسری عبادت ان ایام کی تلاوت قرآن ہے تلاوت قرآن کو ان ایام سے خاص خصوصیت ہے اس کا ثبوت فعل نبوی سے ہوتا ہے احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام رمضان میں قرآن کا دور کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کے علاوہ بھی آپ اس زمانہ میں تلاوت قرآن زیادہ کرتے اور قرآن کا اہتمام بہت فرماتے تھے کیونکہ دور کرنا خاص اہتمام ہے تو گویا اس طرح رمضان میں حضور سے تلاوت قرآن زیادہ کرائی گئی ہے اور کثرت تلاوت کے لئے تقلیل کلام لازم ہے جب آدمی قرآن پڑھتا رہیگا تو یقیناً باتوں میں کمی آئیگی تو تلاوت قرآن کی روح تقلیل کلام ہے چوتھی عبادت اخیر رمضان میں اعتکاف ہے اسکی روح تقلیل اختلاط مع الانام ہے کیونکہ اول تو بہت لوگ مسجد میں آتے ہی نہیں جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے اوسکا بچھڑا چھوٹ کر مسجد میں گھس آیا وہ اس کے پیچھے پیچھے آیا تو مسجد کا ملا برا بھلا کہنے لگا کہ لوگ نہ نماز پڑھیں نہ کچھ کریں اور جانوروں کو مسجد میں چھوڑ دیتے ہیں تو گنوار کہتا ہے کہ بس زیادہ کیوں بڑبڑ لگائی ہے بیوقوف جانور تھا آگیا تمہیں ہمیں بھی آتے دیکھا ہے ایسے لوگوں کے نزدیک تو مسجد میں آنا آدمیوں کا کام ہی نہیں جانوروں کا کام ہو جیسے تو بھلا مسجد میں کیوں آنے لگے اور جو لوگ آتے بھی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ بس نماز پڑھی اور اپنے گھر کا رستہ لیا مسجد میں انکا دل لگتا ہی نہیں جو نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھیں اللہ اللہ کریں یا قرآن پڑھیں وہ تو معلوم نماز کیلئے بھی دس پانچ منٹ کس مصیبت سے مسجد میں ٹھیرتے ہیں دن بھر چوپالوں میں باتیں بناتے رہتے ہیں اس سے ان کے کسی کام میں حرج نہیں ہوتا اور مسجد میں اگر امام نے نمازیوں کے انتظار کے لئے جماعت میں کچھ دیر کر دی تو اسپر معترض ہوتے ہیں کہ ہمیں قید ہی کر لیا ہمارے کام کا حرج ہو رہا ہے چنانچہ کانپور میں ایک شخص کہتے تھے کہ میں تراویح

پڑھکر گھر جاتا تھا ...... ایک مسجد میں سے تراویح پڑھکر لوگ نکل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ تراویح کیا ہے قرنطینہ ہے جب ان لوگوں کو نماز پڑھنا بھی قرنطینہ معلوم ہوتا ہے تو نماز کے بعد تو وہ کیا مسجد میں ٹھہر ینگے اسی لئے الم ترکیف کی مسجد ڈھونڈتے پھرتے ہیں تاکہ جلدی سے فراغت کر کے گھر کا رستہ لیں بزرگوں نے کہا ہے المؤمن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفس یعنی مومن کی حالت مسجد میں ایسی ہوتی ہے جیسے مچھلی پانی میں ہو کہ اسکو مسجد میں آکر راحت و سکون حاصل ہوتا ہے اور منافق کی حالت مسجد میں ایسی ہوتی ہے جیسے پرندہ پنجرے میں قید ہو (قلت ویشہد له حدیث اذا رایتم الرجل یتعاهد المسجد فاشهدوا له بالایمان فان الله تعالیٰ یقول انما یعمر مساجد الله من آمن بالله الآیة اخرجه احمد وابن منیع والترمذی وابن ماجه والدارمی وابن مردویه من حدیث ابی الهیثم عن ابی سعید مرفوعا بهذا وقال الترمذی انه حسن غریب وصححه ابن خزیمة وابن حبان والحاکم ولفظ الدیلمی عن معاذ بن جبل مرفوعاً اذا رأیتم الرجل یلزم المسجد فلا تحرجوا ان تشهدوا له انه مومن اه مقاصد حسنه ص ۱۰۔ قلت ولما کان لزوم المسجد وتعاهده من علامة الایمان کان عکسه من علامة النفاق ویستثنی منه من لا یقدر علی زیادة المکث فی المسجد لغلبة هیبة حضرة الله علیه فمثله یخرج من المسجد سریعاً کما فرغ من الفرض فهو مومن کامل حقا لکون قلبه متعلقا بالمسجد دائما و ملازما له ولو لم یلازمه بالمکث الطویل اولعنه آخر ۱۲ جامع) الحمد للہ ہماری جماعت کا لقب مخالفین نے مسجد کا مینڈھا رکھا ہے کہ ان کو مسجد کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ہر وقت مسجد ہی میں پڑے رہتے ہیں آہمیں انھوں نے ہمارے مومن کامل ہونیکا اقرار کرلیا و الفضل ما شهدت به الاعداء وہ تو طعن کی نیت سے کہتے ہیں مگر ہم اس لقب سے خوش ہیں کراتہ میں ایک طالب العلم کو کسی نے کہا تھا کہ وہ آرہے ہیں مسجد کے مینڈھے تو اس نے خوب جواب دیا کہ پھر بھی دنیا کے کتوں سے تو افضل ہیں (الدنیا جیفة و

طالبہا کلاب ۱۲) خبر بھی ہے یہ مسجد کے مینڈھے کیسے ہیں یہ ایسے مینڈھے ہیں کہ جب انکو دین کی مستی سوجھتی ہے تو سارے عالم پر حکومت کرتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی ہیں | کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

اور فرماتے ہیں ؎

مبین حقیر گدایان عشق را کیں قوم | شہاں بے کمر و خسروان بے کلہ اند

اور فرماتے ہیں ؎

در سفالیں کاسہ رنداں بخواری منگرید | کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

اور یہ باتیں ہی باتیں نہیں بلکہ اہل اللہ نے کر کے دکھلا دیا ہے کہ ان کے سامنے سلاطین کی بھی کوئی حقیقت نہیں ایک بار حضرت شاہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس غالباً جہانگیر حاضر ہوئے اسوقت شاہ صاحب اپنے حجرہ میں تھے اور باہر ایک خادم کو اپنی گدڑی دے رکھی تھی کہ اسکی جوئیں دیکھ دے خادم نے جو بادشاہ کی سواری دیکھی دوڑ کر حجرہ کی کنڈی ہلائی کہ حضرت جلدی کواڑ کھولئے شاہ صاحب اٹھے اور کواڑ کھولکر پوچھا کیا ہے کہا بادشاہ کی سواری آگئی فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ تو عجیب جاہل ہے میں تو سمجھا کوئی بڑی سی جوں پائی ہوگی اسکے دکھلانے کو بلاتا ہے یہ کہکر پھر اپنی جگہ جا بیٹھے بادشاہ نے حاضری کی اجازت چاہی آپنے اجازت دی مگر اس شان سے کہ پہلے تو پیر سکوڑ رکھے تھے بادشاہ کے آتے ہی پیر پھیلا دئے بادشاہ کے ساتھ ایک خشک مولوی بھی تھے ان کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی کہ یہ درویش بڑے ہی بے تہذیب ہوتے ہیں انکو کسی کا بھی کچھ ادب نہیں پوچھا شاہ صاحب آپنے پیر کیوں پھیلا دئے فرمایا جب سے ہاتھ سکوڑ لئے پاؤں پھیلا دئے سبحان اللہ کیا مسکت اور بامعنی جواب تھا یعنی جو لوگ بادشاہوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں وہ انکی تعظیم کے لئے پیر سمیٹ لیا کرتے ہیں مگر جس نے ہاتھ سمیٹ لیے ہوں اسکو پیر پھیلانے کا حق ہے اسکے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ سلطان الاسلام آپکی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں آپ کے ذمہ ان کی تعظیم واجب تھی فرمایا کہ یہ تمہارے بادشاہ ہونگے تم تعظیم کرو میرے تو غلاماں غلام ہیں اسپر تو مولوی صاحب جھلا ہی اٹھے پوچھا آپکے

غلامان غلام کو ہم سمجھے ہیں فرمایا کہ یہ ہوا و ہوس کے غلام ہیں اور ہوا و ہوس میرے غلام ہیں تو یہ میرے غلامان غلام ہوئے آپنے دیکھا یہ مسجد کے مینڈھے کیسے ہوتے ہیں یہ خلق سے ایسے مستغنی ہوتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی منہ نہیں لگاتے وہ اپنی اسی کھال میں مست ہیں آخر کیوں نہ ہوں وہ ہیں کس کے دیوانے ؎

ما اگر قلاشِ وگر دیوانہ ایم ... مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

اور جو کوئی ان کو طعن کی نیت سے دیوانہ کہتا ہے وہ اسکے جواب میں یوں کہتے ہیں ؎

او ست دیوانہ کہ دیوانہ نشد ... عسس را دید در خانہ نشد

بخدا اس دیوانگی پر ہزاروں عقلیں قربان ہیں اسی تجربہ کو مولانا فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را ... بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کی خدمت میں ایک بادشاہ حاضر ہوا جب وہ خانقاہ کے دروازہ پر پہونچا اور اندر جانیکا ارادہ کیا فوراً نقیب نے ٹوکا کہ بلا اجازت اندر جانیکی ممانعت ہے تم یہاں ہی ٹھیرو میں شیخ سے اجازت لیکر آؤں تب جانا۔ بادشاہ جھلا ہی تو گیا مگر شیخ کے خیال سے خاموش رہا کیونکہ معتقد بنکر حاضر ہوا تھا یہ بزرگوں کے خدام بھی بڑے دلبر ہوتے ہیں یہ اپنے شیخ کے حکم کے سامنے نہ کسی رئیس کی پرواہ کرتے ہیں نہ بادشاہ کی چنانچہ نقیب نے شیخ کو بادشاہ کے آنیکی اطلاع دی انھوں اندر آنیکی اجازت دیدی تب بادشاہ صاحب اندر پہونچے جھلایا ہوا تو تھا ہی جاتے ہی فوراً یہ مصرع پڑھا ؎

در درویش را درباں نہ باید ✦ کیونکہ درباں تو بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتے ہیں فقیر دنکو اس سے کیا واسطہ تو بزرگ نے برجستہ جواب دیا۔ بباید تا سگ دنیا نیاید۔ یعنی یہ درباں آدمیوں کی روک ٹوک کے لئے نہیں ہے بلکہ کتوں کو روکنے کے لئے ہے اور شانِ درویشی کے خلاف دربان بمعنی اول ہے نہ بمعنی ثانی بادشاہ نے اعتراض کرکے کیسی منہ کی کھائی آخر اہل اللہ کس سے ڈریں ؟ اور کیوں ڈریں بس وہ تو ایک سے ڈرتے ہیں اسکے سوا کسی سے ڈرنیکی انکو ضرورت نہیں آخر لوگ انکا کیا کرینگے بیش ازیں نیست کہ مار ڈالینگے سو یہ تو انکا عین مقصود ہے وہ تو اسدن خوشیاں منائینگے جسدن روح بدن سے مفارقت

کرےگی ان کی تو یہ حالت ہے کہ غلبہ شوق لقاء میں موت کی تمنا کیا کرتے ہیں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آن روز کزیں منزل ویراں بروم — راحت جان طلبم وز پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے — تا در میکدہ شاداں وغزلخواں بروم

یہ نری شاعری نہیں بلکہ سچا حال ہے واقعی سالک کو سچ مچ موت کی تمنا ہی ہوتی ہے اور یہ تمنا خلاف شرع نہیں تمنائے موت وہ ممنوع ہے جو کسی دنیوی تکلیف کی وجہ سے ہو چنانچہ حدیث میں بضر نزل بہ کی قید موجود ہے باقی اشتیاق لقاء میں تمنائے موت ہونا یہ تو ولایت خداوندی کی دلیل ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں قل یاایہا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ۝ دعوی ولایت پر تمنائے موت کا مطالبہ فرماتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ حصول ولایت کے لئے تمنائے موت لازم ہے تو جو چیز لوگوں کے نزدیک سب سے بڑی کلفت ہے عارف کے نزدیک وہ محبوب ہے تو پھر کسی سے وہ کیوں ڈرے نیز عارف کو یہ یقین ہوتا ہے کہ مخلوق مجھکو نفع یا ضرر کچھ نہیں دے سکتی جو کچھ ہوگا خدا کے حکم سے ہوگا اسلئے اسکو نہ کسی سے طمع ہوتی ہے نہ خوف شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس — ہمیں است بنیاد توحید وبس

جب توحید کامل ہوجاتی ہے تو یہی حال ہوتا ہے کہ موحد خدا کے سوا کسی کو نافع ضار نہیں سمجھتا اسلئے مخلوق سے بالکل بےفکر ہوجاتا ہے پھر یہ لوگ عوام سے تو کیا ڈرتے بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے پھر افسوس ہے کہ لوگ ان سے اپنی رایوں میں موافقت چاہتے ہیں اور دباؤ ڈالکر ان کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں ایں خیال است ومحال است وجنوں شاید کسی کو یہاں پر یہ شبہ ہو کہ بعض دفعہ بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی جان کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں دماغ میں تیل لگاتے ہیں تاکہ ضعف نہ ہوجائے مضرات سے پرہیز کرتے ہیں تاکہ بیمار نہ ہوجائیں خطرات سے بچتے ہیں تاکہ

کہیں جیلخانہ میں نہ پہونچ جائیں خار دار طریق میں نہیں چلتے کہیں کانٹا نہ لگ جائے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ خطرات سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ ابھی کہا تھا کہ انکو بجز خدا کے کسی کا خوف نہیں ہوتا تو بات یہ ہے کہ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
بس سخن کوتاہ باید والسلام ؎

کامل کے حال کا اندازہ عوام کو نہیں ہو سکتا وہ اسکو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور اسکا حال یہ ہوتا ہے کہ ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جان میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنی جان ہے اس لحاظ سے وہ ان کو عزیز نہیں (کیونکہ وہ کسی چیز کو اپنی سمجھتے ہی نہیں ۱۲) دوسری یہ حیثیت ہے کہ یہ سرکار کی دی ہوئی مشین ہے اس لحاظ سے وہ عزیز و محبوب ہے کیونکہ سرکاری چیز ہے جو ہم کو امانت کے طور پر دی گئی ہے اور اسکی حفاظت کا حکم کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے عارف کبھی اپنی مدح بھی کیا کرتا ہے ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی مدح کر رہا ہے مگر حقیقت میں وہ خدا کی چیز کی مدح کر رہا ہے جو خدا ہی کی مدح ہے چنانچہ حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں ؎

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست
آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

دیکھئے اپنی ہمت کی تعریف ہو رہی ہے کہ خدا کا شکر ہے ہم محبوب تک پہونچ گئے اور وصال سے پہلے نہیں مرے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفریں ہے مگر حقیقت میں خدا کی نعمت پر آفریں ہو رہی ہے کہ اس نے ہمکو ایسی ہمت دی اس لحاظ سے وہ ہماری چیز تھوڑا ہی ہے بلکہ سرکاری عطا ہے اسی طرح ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

چونکہ ان ہاتھ پیروں سے طاعات کی توفیق ہوئی اور وہ وصال محبوب کا ذریعہ بن گئیں اس لحاظ سے اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور پیروں کو چومتے ہیں کہ شاباش تم نے بڑا کام کیا

یہ بھی اصل میں عطائے محبوب کی مدح ہے مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ وہ مکہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر تھے معتقد لوگ انکی تعریف کر رہے تھے اور وہ خوش ہو رہے تھے مولوی صاحب کے دل میں خطرہ ہوا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو اپنی تعریف سے خوش ہو رہے ہیں بزرگ کو خطرہ پر اطلاع ہوگئی فرمایا کہ میری تعریف تھوڑا ہی ہو رہی ہے یہ تو میرے محبوب کی تعریف ہو رہی ہے کہ اس نے مجھے ایسا بنایا اور یہ کمالات عطا کئے ورنہ میں کیا اپنے باپ کے گھر سے یہ کمالات لایا تھا جو انکو اپنے کمالات سمجھوں البتہ صرف زاہد وہ اتنی نظر نہیں رکھتا اس لئے ان چیزوں کی قدر نہیں کرتا چنانچہ مثنوی میں مولانا نقل فرماتے ہیں ؎

زاہدے را گفت یارے در عمل — کم گری تا چشم را ناید خلل

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال — چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

گر بہ بیند نور حق را چہ غم است — در وصال حق دو دیدہ کے کم است

ورنہ بیند نور حق را گو برو — ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

تو زاہد کی نظر اسیر ہوتی ہے کہ وہ میری نظر ہے اور اگر کوئی عارف ہوتا تو اسکی نظر اسیر ہوتی کہ ہمارے گھر کی کونسی چیز ہے ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست — تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

وہ اگر روتا بھی تو حدود کے اندر روتا جیسے سرکاری چیز کا استعمال حد کے اندر کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید العاشقین ہیں مگر آنکھوں کی آپ اتنی خاطر فرماتے تھے کہ کان یکتحل ثلثا فی ھذہ وثلثا فی ھذہ یعنی سرمہ کی تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری میں اسی طرح آپ سے کبھی یہ ثابت نہیں کہ رات بھر جاگے ہوں اور امت کیلئے ارشاد فرماتے ہیں ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا الحدیث کہ تمہاری جان کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ہماری نہیں ہیں ورنہ ہمکو ان میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا بلکہ سرکاری چیزیں ہیں جنکے کچھ حقوق سرکار نے مقرر فرما دیے ہیں

جنکی رعایت ہمارے ذمہ ضروری ہے اسلئے عارف اپنی جان میں خلاف حکم کوئی تصرف
نہیں کرتا یہ راز ہے اسکا کہ عارف کسی وقت تو جانکی ذرا پروا نہیں کرتا اور کسی وقت بہت
حفاظت کرتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں حکم شریعت ہوتا ہے وہاں تو وہ جان کی پرواہ
نہیں کرتا اور جہاں حکم نہیں ہوتا یا ممانعت ہوتی ہے وہاں جان کی حفاظت کرتا ہے
کیونکہ شریعت نے بعض وقت جان کو خطرہ میں ڈالنے سے منع بھی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے
لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ جس سے فقہاء نے یہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس جگہ امید نفع
موہوم اور ضرر کا یقین یا غلبہ ظن ہو وہاں جان کو ڈالنا القاء نفس فی الہلاکت ہے جو
شرعاً ممنوع ہے نیز حدیث مرفوع میں ہے جسکو ترمذی نے روایت کیا ہے لا ینبغی للمؤمن
ان یذل نفسہ قالوا یا رسول اللہ وکیف یذل نفسہ قال یتحمل من البلاء لما
لا یطیقہ اھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کیلئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا
مناسب نہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مسلمان اپنے کو خود ذلیل کیسے کرتا ہے فرمایا کہ
ایسی بلاء اپنے سر دھرے جسکے تحمل کی اسمیں طاقت نہیں۔ سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے
کہ کام اتنا ہی اپنے ذمہ لو جسکو کر سکو خواہ مخواہ ڈینگیں نہ مارو اور اپنی چادر سے باہر
پیر نہ نکالو کہ اسکا انجام بجز ذلت کے کچھ نہیں دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ ملتا ہے کہ بس کچھ ہو تو
نہ سکا بڑے دعوے کرتے تھے کہ ایک سال میں یہ ہو جائیگا واللہ مسلمان کے لئے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ساری سیاست موجود ہے مگر کوئی قدردان بھی ہو دیکھ لیجئے
اسی ارشاد کی مخالفت کرکے مسلمانوں کی آج کل کیا حالت ہو رہی ہے کہ دشمن بھی ان پر ہنستے
ہیں تو عارف ایسے موقعہ پر ضرور اپنی جان و آبرو کی حفاظت کریگا کہ جہاں شریعت نے
جان کو خطرہ میں ڈالنے اور اپنے کو ذلیل کرنے سے منع فرمایا ہو خوب سمجھ لو یہ ساری گفتگو
اسپر چلی تھی کہ لوگ ملانوں کو مسجد کے مینڈھے کہتے ہیں میں نے کہا تھا کہ یہ لقب تو ہمارے
لئے باعث فخر ہے ہم اس سے برا نہیں مانتے کیونکہ اسمیں ہمارے لئے ایک اقراری فضیلت ہے
پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مسجد کے مینڈھے تم سے ظاہر مسکن میں بھی اچھے ہیں کیونکہ مسجد خدا کا
گھر تو ہے ہی اسلئے برکات میں تو دوسرے مساکن سے احسن ہی ہے لیکن وہ ظاہری شان

وشوکت میں بھی تمہارے اکثر گھروں سے افضل ہے عمارت بھی چونہ گچ کی ہے ہر روز اسکی صفائی ہوتی رہتی ہے جھاڑو دی جاتی ہے اور ہر سال ایک مرتبہ پوتا پھیرا جاتا ہے پھر بعض مسجدوں میں مینار اور گنبد بھی ہوتے ہیں جیسے بادشاہ کا قلعہ ہو پھر بادشاہوں کے قلعہ میں تو گھوڑوں بیلوں خچروں کے پیشاب پاخانہ کی بدبو بھی ہوتی ہے مسجد اس سے بھی پاک ہو اور زیادہ فضائل بیان کرنے کو جی بھی نہیں چاہتا کیونکہ ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

کہیں یہ فضائل معلوم کرکے تم بھی مسجد ہی میں نہ آپڑو پھر ہماری راحت میں خلل پڑے بس تم اپنے محلوں ہی میں خوش رہو اور ہمیں مسجدوں ہی میں رہنے دو۔ غرض جب لوگوں کو مسجد سے اتنا توحش ہے تو معتکف تو اکثر ٹواں ٹوں ہی بیٹھا رہیگا (یعنی اکیلا رہے گا ۱۲) اسکی تنہائی میں خلل کون ڈالیگا تو لامحالہ اعتکاف میں قلت اختلاط مع الانام ہو جائیگا یہ روح ہے اعتکاف کی۔ یہ مضمون میرے ذہن میں ابھی یعنی دو چار روز ہوئے آیا تھا اس سے پہلے اس طرف کبھی ذہن نہیں گیا۔ یہ نعمت حق تعالیٰ نے ابھی عطا فرمائی ہے میں نے جب بیان کا ارادہ کیا تو اول احیاء العلوم بھی دیکھی تھی مگر اسمیں امام نے رمضان کے آداب و احکام و اسرار اقویاء کے مناسب لکھے ہیں آہمیں اکثر مجاہدات اسی زمانہ متقدمین کے مناسب ہیں اس زمانہ متاخرین کے موافق نہیں اصول تو اب بھی وہی ہیں جو پہلے تھے اصول کبھی نہیں بدلا کرتے مگر طرق معالجہ تبدل زمان سے بدل جاتے ہیں اطباء اسکو جانتے ہیں کہ طب یونانی کے اصول تو اب بھی بجا لہا ہیں مگر طرق علاج میں زمانہ کے تبدل سے تغیر ہو جاتا ہے نو تعلیم یافتہ طبقہ اسمیں غلطی کرتا ہے وہ اصول کو بھی تبدل زمان سے بدلنا چاہتے ہیں اور اصول کو طرق پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے طرق مجاہدہ پہلے اور تھے اور اب اور ہیں اسی طرح عمار کو مسائل شرع میں ضرورت وقت کا لحاظ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں مگر یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اصول کلی ہوتے ہیں اور کلیات اس تغیر سے محفوظ ہیں اور طرق جزئی ہوتے ہیں اور جزئیات میں یہ تغیر ہو سکتا ہے غرض اسوجہ سے احیاء العلوم کے مضامین سے دلچسپی نہ ہوئی اور نہ بیان کے وقت اسکے مضامین کچھ یاد آئے کیونکہ وہ

آج کل کے مناسب نہ تھے اور اسی لیئے میں اپنے احباب کو ان کتابوں کے دیکھنے سے منع بھی کیا کرتا ہوں کہ خواہ مخواہ دیکھکر عمل کی ہوس ہوگی اور اسکے موافق عمل کی ہمت آج کل کے طبائع میں ہے نہیں تو اس سے بجز پریشانی بڑھنے کے اور کچھ نفع نہ ہوگا سو میں ان کتابوں کے مطالعہ سے اسلیئے نہیں روکتا کہ وہ قابل مطالعہ نہیں بلکہ اسلیئے روکتا ہوں کہ ہم ان کے مطالعہ کے قابل نہیں بہر حال یہ مضمون جو میں نے بیان کیا ہے کتابی مضمون نہیں میری نظر سے آج تک کسی کتاب میں نہیں گذرا اور نہ میرے ذہن میں اس سے پہلے کبھی آیا پس یہ مضمون نو وارد ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نیا آیا ہوا ہے اشارۃ الی الحدیث انہ حدیث عہد بربہ ۱۲ جامع) اسکی قدر کرنا چاہیئے گو یہ مسالہ سے خالی ہے جوشیلا نہیں ہے مگر وہی مضمون ہے اور بات یہ ہے کہ حقائق صحیحہ میں جوش خروش ہوا بھی نہیں کرتا وہ تو سادے اور پھیکے ہی ہوا کرتے ہیں جو شیلے مضامین زیادہ تر وہ ہوتے ہیں جن میں خارج سے نمک مرچ لگایا جائے دیکھیئے احادیث و قرآن کے مضامین کیسے سادے ہوتے ہیں اور دیوان حافظ و مثنوی کے مضامین جو شیلے ہیں تو مقاصد میں جوش[لہ] نہیں ہوا کرتا یہ تو مقدمات میں یا عوارض میں ہوا کرتا ہے اسلیئے ان پر نظر نہ کرنا چاہیئے حقیقت پر نظر رکھنا چاہیئے غرض حق تعالیٰ نے عبادات رمضان میں آپ کو ان چاروں مجاہدات کی روح سے کامیاب فرمانا چاہا ہے چنانچہ ان میں سے ایک عبادت روزہ ہے جسکی حقیقت ہے ترک طعام و ترک شراب و ترک وقاع۔ صوفیہ نے ترک وقاع کو مجاہدہ میں اسلیئے شمار نہیں کیا کہ ترک طعام و شراب اسکو (جماع ۱۲) مستلزم ہے چنانچہ تجربہ ہے کہ جو شخص کھانا کم کھائیگا اسکو شہوت وقاع کم ہوگی دوسرے مجاہدہ کا حاصل کسر قوت بہیمیہ ہے اور اسمیں ترک وقاع کو دخل نہیں بلکہ برعکس وقاع کو اسمیں دخل ہے کیونکہ قوت بہیمیہ جماع سے منکسر ہوتی ہے ترک جماع سے تو اسکو قوت ہوتی ہے لہذا ترک وقاع صوفیہ کا مبحوث عنہ نہیں ہاں اسکو قیام صحت جسم میں ضرور دخل ہے یعنی کثرت جماع صحت کیلیئے مضر ہے اس لحاظ سے اطباء نے اس سے بحث کی ہے اور چونکہ کثرت جماع ایک عارض ہے دین کے لئے بھی

[لہ] یعنی عوارض کے رنگ کا نہیں ہوتا گو دوسرے رنگ کا ہو جو اس سے بھی الذ و اقوی ہے جیسے چٹنی میں ایک خاص لذت ہے، جو معجون صحت و قوت بخش میں نہیں لیکن اس صحت و قوت کے بعد جو طبیعت میں نشاط و فرح پیدا ہوگا وہ اس چٹنی میں کوسوں بھی نہیں ۱۲ منہ

مضر ہے وہ عارض ہے کہ صحت کی خرابی سے بعض دفعہ دین کے کاموں میں بھی خلل آجاتا ہے
اس جہت سے بزرگوں نے بھی ترک وقاع کی وصیت کی ہے چنانچہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے

احفظ منیک ان یصب فانہ ماء الحیاۃ یصب فی الارحام

شیخ شیرازی فرماتے ہیں

بہ بے رغبتی شہوت انگیختن برغبت بود خون خود ریختن

مجھسے ایک محقق صوفی نے کہا تھا کہ بی بی سے کم ملنا چاہئے کیونکہ کثرت جماع سے حرارت غریزیہ کم ہوتی ہے اور سالک کو حرارت غریزیہ کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ اس سے طبیعت کو انتعاش والتہاب ہوتا ہے جس سے عشق کی گرم بازاری ہوتی ہے مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ترک وقاع سے جو التہاب ہوتا ہے وہ نفسانی التہاب ہوتا ہے روحانی نہیں جسکی بابت حدیث میں ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ تفصیل اسکی یہ ہے کہ عشق کی دو قسمیں ہیں ایک عشق طبعی دوسری عشق عقلی اور مقصود اصلی عشق عقلی ہے عشق طبعی مقصود نہیں گو مقصود کے لئے مفید ومعین ضرور ہے پس حرارت غریزیہ کے انتعاش سے عشق طبعی میں زیادتی ہوتی ہے عشق عقلی میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ اسکی ترقی معرفت کے بڑھنے سے ہوتی ہے چنانچہ بڑھاپے میں ہر چند کہ عارف کی حرارت غریزیہ کم ہوجاتی ہے مگر اس سے عشق عقلی میں کمی نہیں آتی بلکہ اسوقت چونکہ معرفت کامل ہوتی ہے اسلئے اسوقت جوانی سے بھی زیادہ عشق عقلی کامل ہوتا ہے اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں

ہر چند پیر وخستہ دل بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

اور راز اسمیں یہ ہے کہ عشق عقلی کا تعلق روح سے ہے اور عشق طبعی کا نفس سے اور بڑھاپے میں نفس تو کمزور ہوجاتا ہے مگر روح کمزور نہیں ہوتی بلکہ عارف کی روح بڑھاپے میں جوانی سے بھی زیادہ قوی ہوجاتی ہے کیونکہ قوت روح کا مدار معرفت پر ہے اور معرفت بڑھاپے میں کامل ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں

خود قوی تر میشود خمر کہن ✦ خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

شراب معرفت کا تو خاصہ یہ ہے کہ یہ جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی ہی تیز ہوتی ہے پس بڑھاپے

میں طاعات کی روحانی لذت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے اور حدیث جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میں بھی روحانی لذت مراد ہے نفسانی لذت مراد نہیں جس میں حرارت غریزیہ کے انتعاش سے التہاب ہوتا ہے۔ اور یہاں سے سالکین کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر کسی وقت طاعات وذکر کی لذت کم ہو جائے تو پریشان نہ ہوں کیونکہ یہ وہ لذت نہیں ہے جسکی بابت مولانا کا ارشاد ہے ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اگر کسی وقت آثار قرب میں کچھ کمی ہو جاتی ہے تو سالک کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ جاتا ہے اور آثار قرب میں کمی معصیت یا غفلت سے ہوتی ہے پس جو سالک معصیت اور غفلت میں مبتلا نہیں ہے اور پھر اسکو طاعات وذکر میں لذت پہلے سے کم ہو جائے وہ بیفکر رہے کیونکہ یہ نفسانی لذت تھی جسکی کمی سے قرب میں کچھ کمی نہیں آتی اور نفسانی لذت کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ شروع شروع میں جوش پر ہوتی ہے پھر مداومت ذکر سے جوش کم ہو جاتا ہے مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب ذکر میں پہلے جیسی لذت نہیں آتی فرمایا تمنے سنا نہیں کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے سبحان اللہ کیا عجیب مثال دی حاصل جواب کا وہی ہے کہ یہ لذت نفسانی ہے جسکا جوش کچھ دنوں رہا کرتا ہے جیسے بیوی کے ساتھ جوش محبت چند روز رہتا ہے اور سال دو سال گذرنے کے بعد وہ پہلا سا جوش نہیں رہتا البتہ انس پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ جس بیوی کے ساتھ صحبت طویلہ رہی ہو اسکی محبت رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے یہی حال ذکر کا ہے کہ زمان طویل کے بعد جوش تو کم ہو جاتا ہے مگر انس جم جاتا ہے اور پرانی جورو کے اماں ہو جانے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ہندوستان میں ایک کابلی رئیس تھے جن کے لئے حکومت کی طرف سے کچھ جاگیر و معافی تھی اور حکام میں انکی بہت وقعت تھی بڑھاپے میں انکی بیوی کا انتقال ہو گیا تو حاکم ضلع تعزیت کیلئے آیا اور کہا آغا صاحب ہمکو آپ کی بی بی کے انتقال کا بہت صدمہ ہے تو وہ رونے لگے اور کہا کہ کلکٹر صاحب وہ ہماری بی بی نہ تھا اماں تھا ہمکو روٹی کھلاتا تھا بدن

دباتا تھا واقعی بوڑھے کی بیوی تو ماں ہی ہوتی ہے کیونکہ کام کے تو نہیں رہتے بس وہ حال ہوتا ہے کہ بیٹے دیتے کے منہ میں خاک محبت رکھیں پاک اب انکا تعلق نفسانی غرض کے لیے نہیں ہوتا محض پاک محبت ہوتی ہے تو سالک کو چاہیئے کہ ان نفسانی کیفیات کو مقصود نہ سمجھے بلکہ ذکر اور طاعات کو مقصود سمجھے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

اور حصول رضا کا ذریعہ طاعات و ذکر میں منحصر ہے بس انپر دوام رکھے خواہ لذت ہو یا نہ ہو البتہ اگر کسی کو یہ کیفیات بھی حاصل ہو جائیں تو انکی قدر کرے بلا وجہ ضائع نہ کرے اور قدر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جماع میں تقلیل کرے کہ اسکو ان نفسانی کیفیات کے بقا میں بڑا دخل ہے کیونکہ احتباس مادہ منویہ سے انتعاش و التہاب ہوتا ہے جو سبب ہوتا ہے نشاط و سرور کا جس سے طاعات میں لذت آتی ہے اور لذت سے دوام طاعات کی امید ہے اس طرح بالواسطہ ترک وقاع بھی سلوک میں مفید ہوتا ہے تو صوفیہ نے اسکو مجاہدات میں تو داخل نہیں کیا لیکن اس واسطہ پر نظر کر کے اسکی بھی وصیت کی ہے بہر حال اس تقریر سے اشکال مذکور کا جواب نکل آیا۔ غرض روزہ کی روح تقلیل طعام ہے اب سمجھو کہ قلت طعام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کھانا کھاؤ اور کم کھاؤ مثلاً جسکی غذا آدھ سیر ہے وہ پاؤ بھر کھائے جسکی پاؤ بھر ہے وہ آدھ پاؤ کھائے اکثر صوفیہ کی نظر تو یہیں تک رہی اور ان کو ان احادیث سے تائید ملگئی جنمیں جوع کی فضیلت اور شبع کی مذمت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے اکثرھم شبعا فی الدنیا اطولھم جوعا یوم القیمۃ یعنی جو دنیا میں زیادہ پیٹ بھریگا وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکا رہیگا اس قسم کی احادیث سے ان حضرات نے جوع کی فضیلت اور شبع کی مذمت مستنبط کر کے یہ فرمایا کہ تقلیل طعام کے معنی یہ ہے کہ پیٹ بھر کے کھانا نہ کھائے بلکہ بھوکا رہا کرے چنانچہ ان حضرات نے یہانتک لکھا ہے کہ جو شخص رمضان میں افطار و سحر کے وقت پیٹ بھر کے کھانا کھاتا ہے اس نے حقیقت صوم و روح صوم کو باطل کر دیا زیادہ لوگ اسی طرف ہیں لیکن شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ شارع علیہ السلام

نے تقلیل طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ شارع نے کھانے کے اوقات معتادہ کو بدلکر انہیں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدل عادت وزیادت فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اسی کو شریعت نے تقلیل طعام کے قائم مقام سمجھا ہے اھ اور یہ دوسری صورت ہے تقلیل طعام کی بس کم کھانا اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور رمضان میں پیٹ بھر کے کھانا روح صوم کو کچھ مضر نہیں میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کا یہ قول نہیں دیکھا اور یہ مضمون اولا خود بخود میرے قلب پر وارد ہوا تھا اسوقت تک میں نے شاہ صاحب کا قول بھی نہیں دیکھا تھا اور میں نے توکلا علی اللہ ایک وعظ میں اسکو بیان بھی کردیا تھا بعد میں شاہ صاحب کے قول سے تائید ملی تو میں بہت خوش ہوا کہ الحمدللہ میں اس قول میں متفرد نہیں ہوں بلکہ امت کا ایک بہت بڑا محقق میرے ساتھ ہے ممکن ہے کسی اور نے بھی اس کی تصریح کی ہو مگر میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کے کلام میں یہ مضمون نہیں دیکھا اور میری نظر کتابوں پر زیادہ ہے بھی نہیں صرف درسیات پر تھوڑی بہت نظر ہے اور درسیات بھی میں نے اس طرح ختم کی ہیں کہ ایک کتاب جماعت نے ختم کرلی اور میں زیادہ غیر حاضر رہا تو جماعت کے ختم کرلنے سے میرے حق میں بھی وہ کتاب ختم ہوگئی بہرحال میرے نزدیک تقلیل طعام کی صورت شریعت میں یہ نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہو اور تم پیٹ بھر کے نہ کھاؤ بلکہ اسکی صورت صرف یہ ہے کہ اوقات طعام میں فصل کردو جیسا کہ روزہ میں ہوتا ہے پھر افطار و سحر میں پیٹ بھر کے کھالو تو اسکا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ تجربہ ہے کہ سحر میں پیٹ بھر کے کھانے سے بھی دوپہر کو اپنے وقت پر بھوک کا تقاضا ضرور ہوتا ہے اور روزہ کی وجہ سے جب نہیں کھاسکتے تو نفس کو کلفت ہوتی ہے بس یہی شرعی مجاہدہ ہے لیکن میں اسمیں اپنے نفس کو متہم سمجھتا ہوں دوسرے علماء بھی اسمیں غور کرلیں لیکن وہ ایسے نہوں جو کھانے کے طالب ہوں اور اگر سب ایسے ہی ہوئے تو وہی مثال ہوگی کہ امام بھی ننگا اور مقتدی بھی ننگے مگر دوسرا انکی اقتدا نہیں کرسکتا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضرت ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جنکی بیبیاں باہر پھرتی ہیں فرمایا تمہاری بیبیاں بھی نامحرموں کے سامنے آتی ہیں پھوپی زاد ماموں زاد

خالہ زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتی دیور جیٹھ کے سامنے آتی ہیں تو امام بھی ننگا مقتدی بھی ننگے اور جب ننگے
ہوں تو نماز درست ہے اسلئے سب کی نماز صحیح ہے پس تقلیل طعام جو مجاہدہ کا ارکان اربعہ میں سے ایک رکن ہے
اسکے معنی یہی ہیں کہ سالک روزے زیادہ رکھا کرے یہ معنی نہیں کہ روزہ رکھکر یا بغیر روزہ ہی کے بھوکا رہا کرے اور یہ تفسیر اسلئے
راجح ہے کہ شریعت نے اسی کو مشروع کیا ہے دوسری صورت کا وجود شریعت میں نہیں نیز یہ اس لئے
بھی راجح ہے کہ اسمیں راحت ہے دن بھر روزہ رکھکر جب افطار میں پیٹ بھر کے
کھائیگا تو نفس اور جسم کو راحت حاصل ہوگی اور اگر افطار میں بھی بھوکا رہا تو کیا خاک راحت
ملے گی اور جب مجاہدہ بھی سہل نہ ہوا تو مقصود کیونکر حاصل ہوگا کیونکہ نظریات کی انتہا تو
بدیہیات پر ہوتی ہے اگر بدیہیات بھی نظری ہو جائیں تو نتیجہ کیسے برآمد ہوگا اسلئے ضروری ہے
کہ مجاہدہ دشوار نہ ہو بلکہ سہل ہو ورنہ طاعات کی سہولت کے لئے تو مجاہدہ اختیار کیا تھا
اور مجاہدہ بھی دشوار ہوا تو اب اسکی سہولت کے لئے کوئی اور مجاہدہ تجویز ہونا چاہئے اس طرح
تو سلسلہ غیر متناہی چلیگا تیسرے یہ کہ امام غزالی نے روزہ میں ایک حکمت یہ بیان کی ہے
کہ اسمیں تشبہ بالملائکہ ہے جیسے ملائکہ کھانا نہیں کھاتے پانی نہیں پیتے اسی طرح روزہ دار ہوتا ہے
میں کہتا ہوں کہ اس سے بھی میرے اس دعوی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ جیسے ملائکہ میں احتیاج
طعام نہیں ہے اسی طرح ان میں سوزش جوع بھی نہیں ہے پس جو شخص روزہ رکھکر افطار و سحر میں بھی
تقلیل طعام کرکے بھوکا رہے وہ ملائکہ کے زیادہ مشابہ نہیں ہوا کیونکہ گو وہ کھانے سے رکا
ہوا ہے مگر سوزش جوع میں مبتلا ہے بلکہ ملائکہ کے مشابہ وہ شخص ہے جو سحر و افطار میں اچھی
طرح مگر اعتدال کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اس میں روزہ کے وقت نہ سوزش جوع زیادہ ہوگی
نہ کسل طعام چوتھے یہ کہ صعوبت کا برداشت کرنا بامید سہولت آسان ہے اور اگر صعوبت کے
بعد بھی صعوبت ہی رہی تو برداشت مشکل ہے اور سہولت ایک اخروی ہے ایک دنیوی اور
ظاہر ہے کہ صعوبت عاجلہ کے بعد علاوہ سہولت آجلہ کے سہولت عاجلہ بھی کچھ ہونی چاہئے
کیونکہ عام طبائع صرف سہولت آجلہ کے بھروسے صعوبت عاجلہ کو برداشت نہیں کرسکتیں
اور سہولت عاجلہ اسی صورت میں ہے کہ روزہ کے بعد پیٹ بھر کر کھانیکی اجازت دیجائے
ورنہ جب تم ہمیشہ بھوکے ہی اٹھوگے تو سہولت کیا خاک ہوئی اس طرح سے صعوبت کا

تحمل دشوار ہوجاویگا پانچویں یہ کہ اس صورت میں مجاہدہ اَدوم ہے جو شخص روزہ رکھکر اچھی طرح کھائے پیئے گا وہ تقلیل غذا کا عادی نہ ہوگا اور جو بھوکا رہ کر تقلیل طعام کریگا وہ چند دن میں اسکا عادی ہوجائیگا پھر وہ زیادہ کھانا بھی چاہے تو نہ کھا سکیگا اب یہ تقلیل مجاہدہ نہ رہیگی اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے روز روز کے روزہ سے منع فرمایا ہے اول تو آپنے مہینہ میں تین روزے تجویز فرمائے ہیں (ایام بیض کے ۱۲) اور جسکو اس سے زیادہ ہمت ہو تو اس کے لئے ہفتہ میں دو دن تجویز فرمائے ہیں کہ ہر پیر جمعرات کو روزہ رکھا کرے کیونکہ ان دنوں میں مخلوق کے اعمال حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتے ہیں اگر کوئی اس سے بھی زیادہ ہمت رکھتا ہو تو اس کے لئے ارشاد ہے احب الصوم الی اللہ صوم داؤد کان یصوم یوما و یفطر یوما کہ صوم داؤد اختیار کرے یہ حق تعالیٰ کو بہت محبوب ہے جسکی صورت یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے ایک دن افطار کرے اس طرح قیامت تک بھی روزہ کی عادت نہیں ہوسکتی ایک صحابی نے اسپر بھی زیادتی چاہی تھی وہ ہر دن روزہ رکھنا چاہتے تھے تو آپنے ارشاد فرمایا کہ بس صوم داؤد سے بہتر اور کوئی نہیں ہے اور ایک حدیث میں صوم دہر کی نسبت صاف تصریح ہے لا صام ولا افطر مطلب یہ کہ جو شخص سال بھر تک روزہ ہی رکھا کرے اس نے نہ روزہ رکھا کیونکہ عادت ہونے سے غرض حاصل نہ ہوئی اور نہ افطار کیا یعنی ظاہرا اسمیں صوم دہر سے منع فرمادیا اور خود بھی حضور سے کبھی ثابت نہیں کہ آپنے پورے سال بھر روزے رکھے ہوں اور راز اسمیں یہ ہے کہ عادت صوم کے بعد اسکا نفع باقی نہیں رہتا اسی طرح صوفیہ نے جو صورت بیان کی ہے کہ غذا کم کرتا رہے اور اکثر اوقات بھوکا رہا کرے چند روز کے بعد معدہ اسکا عادی ہوجاتا ہے تو مجاہدہ کا نفع باقی نہیں رہتا بلکہ جسمانی امراض لاحق ہوجاتے ہیں چنانچہ جن لوگوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا ان کی صحت عمر بھر کے لئے خراب ہوگئی بخلاف اس صورت کے کہ سال میں ایک مہینہ روزہ رکھے اور زیادہ ہمت ہو تو رمضان کے علاوہ بھی ہر مہینہ میں تین چار دن روزہ رکھ لیا کرے اور افطار میں اچھی طرح کھا لیا کرے اس سے صحت پر کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ تندرستی قائم رہتی ہے اور روزہ بدن کے لئے تنقیہ کا کام دیتا ہے رہا یہ کہ پھر ان احادیث کا کیا مطلب ہے جنمیں

شبع کی مذمت اور جوع کی فضیلت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ شبع کے دو درجے ہیں ایک طبعی اور ایک اس سے زیادہ یعنی ایک تو پیٹ بھرتا ہے یہ تو شبع طبعی ہے اور ایک پیٹ تنا کہ بھوک دفع ہوگئی مگر نیت ہی نہیں بھرتی خواہ مخواہ پیٹ کو ٹھونسا چلا جاتا ہے تو حدیث میں جس شبع کی مذمت ہے وہ وہ ہے جو شبع طبعی سے زیادہ ہو[1] جس سے بدہضمی اور ہیضہ ہوجائے جسکو بعض لوگ مبارک مرض سمجھتے ہیں جیسے ایک اعرابی کی حکایت ہے کہ ایک گاؤں میں ہیضہ ہوا تھا تو وہاں کے آدمی بھاگ بھاگ کر اس اعرابی کے گاؤں میں آرہے تھے یہاں قحط پڑ رہا تھا کہ لوگوں کو روٹی بھی میسر نہ تھی اعرابی نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں بھاگے آرہے ہو کہا گاؤں میں ہیضہ پھیل رہا ہے اعرابی نے کہا کہ ہیضہ کیا ہوتا ہے لوگوں نے بتلادیا کہ زیادہ کھانے سے بدہضمی ہوجاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ افسوس یہ مبارک مرض ہمکو کبھی نہ ہوا تو شریعت نے اس شبع سے منع فرمایا ہے جس سے یہ مبارک مرض پیدا ہو شبع طبعی سے منع نہیں فرمایا اور جوع کی جو فضیلت وارد ہے تو میرے نزدیک اس سے اختیاری جوع مراد نہیں بلکہ غیر اختیاری مراد ہے یعنی یہ اس بھوک کے فضائل نہیں ہیں جو باوجود غلہ گھر ہونے کے اختیار کی جائے بلکہ کسی شخص پر فاقہ آپڑے تنگدستی ہو تو اسکی تسلی کے لئے یہ فضائل بیان کردئے گئے ہیں کہ مسلمان کو فاقہ میں پریشان نہ ہونا چاہئے اس سے اسکو ثواب ملتا ہے درجات میں ترقی ہوتی ہے اور یہ فضائل جوع میرے نزدیک ایسے ہی[2] ہیں جیسے احادیث میں بیماری کے

---

[1] قلت ویؤیده قوله صلی اللہ علیه وسلم اکثرهم شبعا ولم یقل من شبع منهم ۱۲ جامع

[2] قلت ویؤید قول الشیخ هذا ما ذکره مجدد عصره العلامة المحدث علی بن سلطان القاری رح فی شرح الشمائل للترمذی ناقلا عن ابن الجوزی رحمة اللہ علیه بما نصه ومن جهلة الصوفية من یقلل المطعم ویاکل الدسم حتی ییبس بدنه ویعذب نفسه بلبس الصوف ویمتنع من الماء البارد وما هذه طریقة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا طریق صحابتهم واتباعهم وانما کانوا یجوعون اذا لم یجدوا شیئا فاذا وجدوا اکلوا وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یاکل اللحم ویحبه ویاکل الدجاج ویحب الحلواء ویستعذب له الماء البارد فان الماء الحار یؤذی المعدة ولا یروی وکان رجل یقول لا آکل الخبیص لانی لا اقوم بشکره فقال الحسن البصری هذا رجل احمق وهل یقوم بشکر الماء البارد وقد کان سفیان الثوری اذا سافر حمل معه فی سفرته اللحم المشوی والفالوذج انتهی وفی محله قوله تعالی قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق وقال تعالی یا ایها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا اه (ص ۴۳-۲ ج ۱) جامع

فضائل اور اسپر ثواب بیان کیا گیا ہے یقیناً اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود بیمار پڑ جایا کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بیمار ہو جائے تو ان فضائل سے اسوقت تسلی کر لیا کرے اور اسکی تائید میرے پاس قرآن سے ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصٰبرین ٥ یعنی ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے اسمیں حق تعالیٰ نے بندوں کو مطلع فرمایا ہے کہ تمھارے اوپر یہ مصائب نازل ہونگے ان پر صبر کرنا تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے جوع کو بھی مصائب میں شمار فرمایا ہے تو بس جوع کے فضائل ویسے ہی ہیں جیسے اور مصائب کے فضائل ہیں اور دیگر مصائب میں اتفاق ہے کہ ان سے غیر اختیاری مصائب مراد ہیں یہ مطلب نہیں کہ مصائب کو خود اپنے اوپر لادا کرے اسی طرح جوع سے مراد غیر اختیاری ہے ان فضائل کا یہ مطلب نہیں کہ اناج غلہ گھر میں ہوتے ہوئے بھوکا رہا کرے رمضان میں افطار وسحر کے وقت پیٹ بھر کے کھانے میں یہ بھی راز ہے کہ بھوک کے بعد سیر ہو کر کھانے والا صابر بھی ہے اور شاکر بھی ہے تو اسکی یہ حالت ہوتی ہے مرج البحرین یلتقیٰن دو نو دریا ملے چلے رہتے ہیں صبر و شکر دوش بدوش چلتے ہیں اور جو شخص بھوکا رہتا ہے وہ صرف صابر ہے شاکر نہیں اور ایک راز یہ ہے کہ اچھی طرح کھانیوالا اور عمدہ غذائیں کھانیوالا نعمت الٰہی کا مشاہدہ زیادہ کرتا ہے جس سے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ نصف سلوک ہے پہلے زمانہ میں شاید خوف زیادہ قائد اعمال ہوتا ہو اسلئے تقلیل غذا سے نفع ہوتا ہوگا کیونکہ جوع میں ہر وقت استحضار ہے عقوبت کا لیکن آج کل تو محبت زیادہ قائد ہے اور وہ اچھی طرح کھانے پینے ہی سے بڑھتی ہے اسلئے ضرورت ہے شیخ کو محقق ہونیکی یہ نہیں

لے قال السید ابو الحسن الشاذلی قدس سرہٗ الذی یشرب الماء البارد یحمد اللہ من وسط قلبہ اھ یعنی ومرتبۃ الشکر اتم من حالت الصبر فان الاول یورث المحبۃ نعم اذا لم یوجد فمقامہ الصبر آہ کذا فی شرح الشمائل للمجدد القاری ص ۲۰۴ ج ۱ جامع۔

کر جو کتابوں میں لکھا ہو اسی کے موافق علاج کرنے لگے بلکہ اپنے زمانہ کی حالت سے بھی باخبر ہونا چاہئے بعض شیوخ کی عادت ہوتی ہے کہ سب طالبین کو ایک ہی مجاہدہ کی تعلیم کرتے ہیں اور ایک ہی ذکر بتلاتے ہیں چاہے کسی سے ہو سکے یا نہ ہو سکے عارف شیرازی ایسے مشایخ کی شکایت فرماتے ہیں جو ضعفار کی رعایت نہیں کرتے ہ

خستگاں را چو طلب باشد و قوت نبود ۔۔۔ گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

مولانا فرماتے ہیں ہ

طفل را گر ناں دہی بر جائے شیر ۔۔۔ طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

اور فرماتے ہیں ہ

چار پارا قدر طاقت بار نہ ۔۔۔ بر ضعیفان قدر ہمت کار نہ

ہمارے حاجی صاحب کے یہاں ہر شخص کے مناسب نسخے تجویز ہوتے تھے کسی کو خوف کے راستہ سے پہونچایا کسی کو محبت کے راستہ سے کسی کو کثرت ذکر تعلیم کیا کسی کو تلاوت و نوافل بتلائے جسکے جو مناسب ہوا بتلا دیا اور اسی سے بحمد اللہ کامیابی ہوتی تھی اور جو لوگ سبکو ایک لکڑی ہانکتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں بہرحال اچھی طرح کھانا پینا جالب محبت ہے اور بھوکا رہنا کہ وہ خود ایک عقوبت ہے سبب خوف ہے اور محبت بہ نسبت خوف کے زیادہ قائد اعمال ہے اور قائد الی الاعمال ہونے کے سبب ہی خوف میں مقصودیت ہے اسمیں بالذات مقصودیت نہیں اور اس قائد ہونے میں محبت اس سے اقوی ہے تو اسکے اسباب زیادہ مطلوب ہونگے یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ خوف تو جزو ایمان ہے اس لحاظ سے وہ بالذات مقصود ہوا تو سمجھ لینا چاہئے کہ خوف جو ایمان میں داخل ہے وہ خوف عقلی ہے یعنی یحتمل ان ندخل النار یعنی یہ مضمون دل میں حاضر رہے کہ شاید ہم کو جہنم میں بھیج دیا جاے یہ بھی آدرہا سلوک ہے رہا خوف طبعی وہ بالذات مقصود نہیں بلکہ وہ اسلئے مقصود ہے کہ اعمال کی طرف قائد ہے اور اس درجہ میں عشق اس سے بڑھا ہوا ہے اس عشق سے زیادہ کوئی قائد نہیں کیونکہ ایک دم سے سب تعلقات مانعہ کو فنا کر دیتا ہے مولانا

فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت | ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند | در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت | مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

ایک مقام پہ دل کھولکر عشق کی مدح فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما | اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما | اے تو افلاطون و جالینوس ما

واقعی عشق سے زیادہ تکبر ونخوت کو کوئی چیز نہیں نکالتی اور فرماتے ہیں ؎

عشق جان طور آمد عاشقا | طور مست و خر موسیٰ صاعقا

اور فرماتے ہیں ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ | زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

اب اس شعر میں چونکہ بات دور پہنچ گئی یعنی وحدۃ الوجود کا مسئلہ آگیا جو کہ عوام کے لئے مضر ہے اسلئے عشق کی تعریف ختم کرتے ہیں اور اس ختم کرنیمیں اپنا عذر بیان کرتے ہیں۔

؎ سر پنہان است اندر زیر و بم | فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ زیادہ کھاتے پیتے ہیں وہ زیادہ معاصی میں مبتلا ہیں خدا کے ساتھ محبت وعشق کا ان میں نام بھی نہیں اگر زیادہ کھانے پینے سے محبت الٰہی پیدا ہوا کرتی تو سب سے زیادہ امراء ور وساء کو خدا سے محبت ہوتی اور وہی زیادہ مطیع ہوتے مگر مشاہدہ اسکے خلاف ہے اسکا جواب یہ ہے کہ طبائع سلیمہ کا تو خاصہ یہی ہے کہ جتنا مشاہدہ نعم زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی منعم کی محبت میں گھلتا ہے اور اطاعت کی کوشش کرتا ہے ہاں اگر طبائع میں کجی ہے تو پھر اسمیں سستی پیدا ہوگی جیسا کہ بعض امراء میں اس کا مشاہدہ ہے مگر محل کی عدم قابلیت سے اگر مؤثر کا اثر ظاہر نہ ہو تو یہ مؤثر کا قصور نہیں بلکہ محل کا قصور ہے شیخ فرماتے ہیں ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست | در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

بارش کتنی پاکیزہ اور لطیف چیز ہے مگر قابلیت وعدم قابلیت محل کا یہ اثر ہے کہ بارش سے کہیں تو پھول پھلواری اور عمدہ عمدہ پھل پیدا ہوتے ہیں اور کہیں خس وخاشاک اور کانٹے اور خاردار درخت اوگتے ہیں توکیا اس سے بارش کو کوئی مضر کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں بس یہی حال انعامات کی بارش کا ہے اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو آدمی ٹھنڈا پانی پیکر حیا سے زمین میں گڑ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ مجھ گنہگار پر یہ انعام کہ مجھے ٹھنڈا پانی دیا برف دیا حالانکہ میں تو گناہوں کی وجہ سے اس قابل تھا کہ مجھے غارت کردیا جاتا سو انعام کا اصل اثر تو یہی ہے ہاں کسی کی طبیعت ہی میں خباثت بھری ہو تو اس سے بحث نہیں اور ایسے خبیث النفس کو جب انعامات سے خدا کی طرف جذب حاصل نہ ہوا اسے بھوکے رہکر کیا خاک تعلق پیدا ہوگا بلکہ انعامات کے ساتھ گو اسکو طاعات کی توفیق نہیں ہوئی اور معاصی میں مبتلا ہے مگر اسکا ایمان تو محفوظ رہتا ہے اور اگر یہ شخص بھوکا رہے تو اسکے ایمان ہی زائل ہونیکا اندیشہ ہے چنانچہ کثرت سے واقعات اسکے شاہد ہیں بہرحال جن لوگوں میں زیادہ کھانے پینے کی وجہ سے معاصی کا ظہور دیکھا جاتا ہے وہاں بھی کھانا پینا فی الجملہ مفید ہو رہا ہے کہ ایمان ہی کی حفاظت ہوگئی چنانچہ آپنے کھاتے پیتے رئیسوں کو مرتد ہوتے کم دیکھا ہوگا جو لوگ مرتد ہوتے ہیں وہ اکثر وہی لوگ ہیں جو بھوکے رہنے والے فاقہ زدہ تھے۔ پس آج کل یہ مجاہدہ مناسب نہیں کہ طالبوں کو بھوکا مارا جائے بلکہ مشاہدہ نعم کے ساتھ مجاہدہ کرانا چاہئے اول ان کو حسی نعمتوں سے لبھاؤ کھائے پینے کی اچھی طرح اجازت دو پھر وہ معنوی نعمتوں کی بھی قدر کریگا اور نعمتوں کے مشاہدہ سے جب اسمیں محبت پیدا ہو جائیگی تو پھر وہ کسی مصیبت سے پریشان نہ ہوگا اور یوں کہے گا ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من + دل فدائے یار دل رنجان من

لہذا روزہ رکھکر افطار و سحر میں خوب کھاؤ پیو اسپر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ صاحب جب سحری میں خوب ٹھونس لیا تو روزہ میں مجاہدہ ہی کیا ہوا میں کہتا ہوں افسوس تم اپنے نفس کی حالت سے بھی غافل ہو۔ صاحب نفس کو اپنی عادت کے بدلنے سے

بھی تکلیف ہوتی ہے چنانچہ تجربہ ہے کہ سحری میں چاہے آپ کتنا ہی کھالیں مگر روزہ کی وجہ سے ضعف ضرور ہوتا ہے پہلے بھی یہ مضمون آچکا ہے خصوصًا رمضان کے اخیر حصہ میں ہر شخص کے چہرہ سے ضعف کے آثار مترشح ہوتے ہیں غرض جو لوگ سحری میں اچھی طرح کھانیوالے ہیں رمضان کا اثر انپر بھی ضرور ہوتا ہی اسی لئے شارع نے صوم کو مجاہدہ میں داخل کرلیا مگر یہ لطیف مجاہدہ ہے جو لطیف طبائع کے لئے موزوں ہے اور سخت طبیعت والوں کے لئے دوسرا مجاہدہ ہے ان کے واسطے امام غزالی کی کتاب علاج ہے جسمیں تاکید ہے تقلیل بمقدار طعام کی لطیف اور کثیف طبیعت پر مجھے ایک حکایت یاد آئی دیوبند کے ایک رئیس کے یہاں تقریب تھی جسمیں عمدہ عمدہ کھانے پلاؤ زردہ فیرنی وغیرہ پکے تھے اتفاق سے بیگار میں ان کی رعیت کے چمار آئے تھے ان کو بھی کھانا دلوا دیا گیا تو پلاؤ زردہ کو انھوں نے ناک منہ چڑھا کر کھا لیا کیونکہ وہ گنوار ان کھانوں کا پورا لطف کیا جانیں لیکن جب فیرنی چکھی تو ان سے نہ رہا گیا آپسمیں کہنے لگے کہ یہ تھوک سا کسنے رکھیا ہے ۱۲) بھلا وہ گڑ کے کھانے والے ان کو فیرنی کی لطیف شیرینی کیا محسوس ہوتی انکے منہ کو وہ پھیکی ہی لگی اسلئے تھوک سے تشبیہ دی ایسے ہی جو لوگ سخت طبیعت رکھتے ہوں ان کے لئے واقعی مجاہدہ صوم کافی نہ ہوگا اگر آج کل ایسی سخت طبیعتیں کہاں ہیں آج کل تو سارے نازک ہی نازک ہیں امام غزالی کی تحقیق اس زمانہ کے مناسب ہوگی اسوقت قوی مضبوط تھے آج کل کے مناسب نہیں کیونکہ مجاہدہ سے مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اب تو قوت بہیمیہ خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے اسپر بھی مخلوق کو بھوکا رہنے کو تعلیم کرنا اس مثل کا مصداق ہو جائیگا کہ مرتے کو مارے شاہمدار۔ البتہ ان احادیث پر نظر کرکے جنمیں کثرت شبع کی مذمت ہے اور محققین کے اقوال میں غور کرکے اتنی بات ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شبع طبعی سے زیادہ نہ کھاوے اناڑی کی طرح بندوق نہ بھرے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ تراویح بیٹھکر پڑھنا کیسا ہے میں اسکا جواب دیا کرتا ہوں کہ جس نے افطار میں ناک تک پانی بھرا ہو اور گلے تک کھانا ٹھونسا ہو تو ئے

اتنا آگے جائز ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں معذور بنا اور جس نے عادت کے موافق پیٹ بھر کے کھایا ہوا سے جائز ہے کیونکہ وہ واقعی معذور ہے فقہاء نے بھی سحری میں اتنا کھانے سے منع کیا ہے جس سے روزہ میں کھٹی ڈکاریں آدیں ۱۲ اور یہ جبھی ہوگا جب شبع طبعی سے زیادہ کھائیگا سو اتنا کھانا مکروہ ہے ہاں معمول کے موافق پیٹ بھر کے کھانے کا مضائقہ نہیں اور یہ جو بعض صوفیہ نے جن پر فلسفیت غالب ہے لکھدیا ہے کہ جو شخص رمضان میں بھی اور دنوں کی طرح پیٹ بھر کے کھائے اس نے روح صوم کو باطل کردیا میرے نزدیک غلط ہے میں شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے اگر پیٹ بھر کے کھانا صوم کو مضر ہوتا تو بخدا شارع اسکو ممنوعات صوم میں ضرور قرار دیتے کیونکہ یہ ضرر کچھ کم نہیں ہے کہ روح عبادت ہی باطل ہوجائے اگر حرام بھی نہ کرتے تو کم از کم مکروہ ہی قرار دیتے مگر ممنوعات صوم میں شارع نے شبع کا ذکر تک کہیں نہیں کیا آخر جو چیزیں روح صوم کو مضر تھیں شارع نے ان کو بیان کیا ہی ہے چنانچہ ارشاد ہے من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ یعنی جو شخص جھوٹ بولنا اور غلط باتوں پر عمل کرنا نہ چھوڑے (اسمیں سب معاصی آگئے ۱۲) تو خدا کو اسکے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ تو دیکھئے قول زور مفطر صوم نہیں جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر چونکہ روح صوم کو مضر تھا اسلئے شارع نے اسکا مضر ہونا ظاہر کردیا اگر شبع بھی روح صوم کو مضر تھا تو شارع نے اس سے کیونکر تعرض نہیں فرمایا جب شارع نے اس سے تعرض نہیں کیا تو ہم دل کھولکر کہتے ہیں کہ شبع روح صوم کو کچھ مضر نہیں جسکو غلاف کعبہ کے اندر سے کعبہ نظر آرہا ہو وہ تو کعبہ ہی کی طرف منہ کریگا اسکو غلاف کی طرف منہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ایسے ہی جب مجھکو حقیقت منکشف ہوگئی تو میں وہی کہونگا جو میں سمجھا ہوں۔ ممکن ہے کسی محقق کے نزدیک یہ تحقیق صحیح نہ ہو تو ان کو وہ علم مبارک ہو جو ان کے پاس ہے اور چونکہ وہ ان کا اجتہاد ہے اس لئے اجر ان کو بھی ملے گا بس اب میں ختم کرتا ہوں الحمد للہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ تقلیل طعام میں جتنی صورتیں

مجاہدہ کی نکل سکتی ہیں روزہ ان سب میں افضل ہے باقی کے متعلق انشاء اللہ آئندہ بیان کرونگا اور مناسبت مضمون کے اعتبار سے اس بیان کا نام (تقلیل الطعام فی صورۃ الصیام) تجویز کرتا ہوں اب دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ ہمکو برکات صوم سے متمتع فرمادے اور فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلے الہ واصحابہ اجمعین

تمت

مختصر فہرست کتب موجودہ اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

زاد السعید	۲/	شجرہ طیبہ مع تعلیم الطالب	۱/	تنشیط الاذان	۱/
اعمال قرآنی ہر حصہ ..	۵/	طریقہ مولود شریف	۱/	تنویر العیون ترجمہ سرور	۲/
اغلاط العوام فی باب الاحکام	۱/	فروع الایمان	۳/	المحزون	
الاستبصار	۱/	فتاوی اشرفیہ حصہ اول	۴/	ذکر محمود	۰
اصلاح ترجمہ دہلویہ ..	۲/	فتاوی اشرفیہ حصہ دوم	۶/	ارشاد مرشد ..	۱/
اصلاح ترجمہ حیرت ..	۱/	القول الصواب فی تحقیق	۱/	جہاد اکبر	۰
تنشیط الطبع ..	۶/	مسئلۃ الحجاب		درد نامہ غمناک ..	۰
تربیت السالک حصہ دوم	۵/	القول البدیع	۲/	غذائے روح	۳/
تحقیق تعلیم انگریزی	۰/	قصہ سیدنا یوسف ع	۵/	گلزار معرفت ..	۲/
تعلیم الدین	۸/	مکتوبات امدادیہ ..	۳/	مثنوی تحفۃ العشاق	۲/
حق السماع	۲/	یاد یاراں	۳/	امداد السلوک	۵/
حقوق العلم	۵/	مواعظ التذکیر حصہ دوم	۶/	ہدایۃ الشیعہ ..	۴/
الخطب الماثورہ ..	۲/	" " حصہ سوم	۶/	ہدایۃ المعتدی ..	۱/۲
خاتمہ بالخیر	۱/	وعظ روح الارواح ..	۵/	تحذیر الناس ..	۱/۲
رونمائے مثنوی ..	۲/	وعظ مواعظ اشرفیہ	۲/	فیوض قاسمی ..	۴/